مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لئے طالبانِ قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں:

☆ واضح رہے کہ یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے —— تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔

نصاب

۱) عربی گرامر
۲) عربی ریڈر
۳) مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
۴) تذکیر بالقرآن (دورۂ ترجمۂ قرآن)
۵) تجوید و حفظ
۶) ترکیب قرآن مع عربی گرامر
۷) اصطلاحاتِ حدیث اور مطالعۂ حدیث
۸) اضافی محاضرات

☆ کورس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر سے ہوگا اور کورس کا دورانیہ نو ماہ ہوگا۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس
36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور (فون: 03-5869501)
courses@tanzeem.org

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 7-7-04
۳۶ ماڈل ٹاؤن لاہور

ماہنامہ حکمت قرآن لاہور

شعبہ اشاعت
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱
ویب سائٹ: www.tanzeem.org
سالانہ زرتعاون: 100 روپے، فی شمارہ: 10 روپے
ایشیا، یورپ، افریقہ وغیرہ: 700 روپے امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ: 900 روپے

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نصابِ تعلیم میں تبدیلی ـــــ اصل مسئلہ

نصابِ تعلیم میں تبدیلی کا ایشو اگرچہ عوامی سطح پر فی الوقت کچھ دب سا گیا ہے لیکن فی الحقیقت یہ معاملہ بہت گہرا بھی ہے اور دوررس نتائج کا حامل بھی ـــــ نصابِ تعلیم میں ہمہ جہت تبدیلی کا یہ منصوبہ دراصل پاکستان کی جڑوں پر تیشہ چلانے کے مترادف ہے۔ کون نہیں جانتا کہ پاکستان کی بنیاد بھی اسلام ہے اور منزل بھی اسلام ہے۔ مصورِ پاکستان اور معمارِ پاکستان دونوں کے نزدیک قیامِ پاکستان کی جدوجہد کا ہدف ایک حقیقی فلاحی جمہوری اسلامی ریاست کا قیام تھا۔ قائداعظم سے جب بھی یہ سوال کیا گیا کہ پاکستان کا دستور کیا ہوگا تو انہوں نے ہمیشہ یہ فرمایا کہ ہمارا دستور قرآن ہے۔

لیکن موجودہ حکومت دانستہ یا نادانستہ طور پر عالمی اسلام دشمن طاقتوں کی آلہ کار بن کر پاکستان کے اسلامی تشخص کو مٹانے کے درپے ہے۔ چنانچہ نصابِ تعلیم میں تبدیلی کے ضمن میں سفارشات پر مبنی جو رپورٹ حکومتی سطح پر زیرِغور ہے اس میں قومی ہدف (National Goal) کا تعین جن الفاظ میں کیا گیا ہے وہ واضح طور پر اس بات کی چغلی کھاتے ہیں کہ نصابِ تعلیم میں تبدیلی کے ذریعے دراصل پاکستان کے اسلامی تشخص کو مٹانا پیشِ نظر ہے۔ رپورٹ کے مطابق ہمارا قومی ہدف ''ایک ترقی پسند' اعتدال پسند' جمہوری پاکستان'' کا قیام ہے' حالانکہ معمارِ پاکستان ہمیشہ ''ایک فلاحی جمہوری اسلامی ریاست'' کے قیام کی بات کرتے رہے۔ ویسے بھی دوقومی نظریہ کی بنیاد پر تحریکِ پاکستان کا چلنا اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے جس کی بنیاد ہمارا مذہب یعنی اسلام ہے ـــــ ہمارے دشمن خوب جانتے ہیں کہ اس ملک کا وجود ختم کرنے کے لئے اس کی نظریاتی اساس کی جڑیں کھودنا ضروری ہے۔ اسی لئے ان کا دباؤ ہے کہ یہاں نصابِ تعلیم کو از سرِنو مرتب کیا جائے' جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ نصابِ تعلیم سے اسلامی روح کو یکسر نکال پھینکا جائے۔ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے حکمران پاکستان کی نظریاتی جڑیں کھودنے کے اس عمل میں پاکستان کے دشمنوں کے ہمنوا بن گئے ہیں۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان کی منزل اگرچہ پہلے دن سے معین تھی لیکن ملک کے مقتدر طبقات نے ہمیشہ مجرمانہ غفلت کا ثبوت دیتے ہوئے پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کرنے اور پاکستان کی منزل یعنی اسلام کے مطابق نصابِ تعلیم کو مرتب کرنے میں نااہلی اور تساہل کا ثبوت دیا۔ گزشتہ نصف صدی سے ملک میں تین چار قسم کے نظامِ تعلیم رائج ہیں۔ جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہمارے سامنے کوئی قومی ہدف ہے نہ کوئی منزل۔ ہماری سیاسی ابتری' معاشی بدحالی اور قومی خلفشار کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ہم نے اپنی منزل کی طرف فیصلہ کن انداز میں پیش رفت کرنے کی بجائے ملک کی نظریاتی بنیادوں کو کمزور سے کمزور تر کرنے والے اقدامات کئے' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج آزادی کی دولت ہمارے ہاتھوں سے پھسل رہی ہے اور ہم ہر معاملے میں امریکی ڈکٹیشن کے پابند ہیں۔ ہمارا قومی بجٹ تو پہلے ہی آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک تشکیل دیا کرتے تھے' اب نصابِ تعلیم بھی ''امریکی ہدایات'' کی روشنی میں ترتیب دینے کا فیصلہ کرلیا گیا ہے۔ گویا ہم اپنی آزادی

(باقی صفحہ 26 پر)

منتخب نصاب (درس ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمُّ المُسَبِّحات : سورۃ الحدید

(۱۵)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ..... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشّیطٰن الرّجیم۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا ط اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ ۝ لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ ط وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۝ اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۝ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ج وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ ط اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ ﴾ (آیات ۲۲ تا ۲۵) ..... صدق اللّٰہ العظیم

میں نے گزشتہ نشست میں عرض کیا تھا کہ سورۃ الحدید کا پانچواں حصہ پانچ آیات (۲۰ تا ۲۴) پر مشتمل ہے۔ اس حصے کو ہم مزید دو حصوں میں منقسم قرار دے سکتے ہیں۔ پہلی دو آیات (۲۰، ۲۱) اپنی جگہ پر ایک مکمل مضمون کی حامل ہیں۔ یعنی انسانی زندگی کی

حقیقت کیا ہے اور حیاتِ انسانی کے مختلف ادوار کی نباتاتی سائیکل سے کس طرح مشابہت ہے۔ انسانی زندگی کا انجام بھی بالآخر وہی ہے جو نباتاتی حیات کا ہے۔ پودا بھی مٹی سے برآمد ہوتا ہے اور بالآخر مٹی ہو کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ انسان کا وجودِ حیوانی بھی خاکی الاصل ہے' مٹی ہی سے بنا ہے اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جائے گا۔ گویا اس اعتبار سے ان کے مابین مشابہتِ تامہ موجود ہے۔ ہمارے اس حیوانی وجود کے بارے میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا: ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝﴾ (طٰہٰ: ۵۵) ''اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے' اسی میں ہم تمہیں واپس لے جائیں گے اور اسی سے تم کو دوبارہ نکالیں گے''۔ چنانچہ زمین پر زندگی کے جو دو شعبے موجود ہیں' یعنی حیاتِ حیوانی اور حیاتِ نباتاتی' ان دونوں کا اسی قشرِ ارض (Crust of the Earth) سے آغاز ہوا ہے اور بالآخر یہیں پر ان کو جا ملنا ہے۔ البتہ انسانی زندگی اس اعتبار سے مختلف ہے کہ انسان کی اصل زندگی آخرت کی ہے ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (العنکبوت: ۶۴) ''یقیناً دارِ آخرت ہی اصل زندگی ہے' کاش یہ لوگ جانتے''۔ اس میں ابدیت بھی ہے اور دوام بھی ہے۔ جیسا کہ ہم نے پڑھا: ﴿وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝﴾ ''اور آخرت میں یا تو سخت عذاب ہے اور یا پھر اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں''۔ واضح رہے کہ یہاں ''غُرُور'' ''غ'' کے پیش کے ساتھ آیا ہے' جبکہ آیت ۱۴ کے آخر پر ﴿وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾ ''غ'' کے زبر کے ساتھ ہے۔ ''غَرُوْر'' فَعول کے وزن پر اسم مبالغہ ہے یعنی بہت بڑا دھوکے باز۔ جبکہ غُرور abstract noun ہے یعنی دھوکہ۔ ''مَتَاعُ الْغُرُوْر'' دھوکے کا سامان!''

اب اگر کسی پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ یہ دنیا تو محض دھوکے کا سامان ہے تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گے؟ یہ کہ اپنی تمام تر توانائیاں تو آخرت کی نجات اور فلاح کے لئے لگائے گا' کھپائے گا۔ البتہ اپنے وقت' توانائیوں اور صلاحیتوں کا اُتنا حصہ وہ اپنے لئے

اپنے نفس اور اہل وعیال کے لئے بھی صرف کرے گا جس قدر زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے' لیکن زندگی کا مقصود درحقیقت آخرت کو قرار دے گا۔ ایک بڑی پیاری حدیث ہے' حضور ﷺ نے فرمایا: ((اِنَّمَا الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَۃِ)) ''یہ دنیا تمہارے لئے بنائی گئی ہے اور تم آخرت کے لئے بنائے گئے ہو''۔ گویا یہاں پر تو ہمیں بس اسے maintain کرنے کے لئے کچھ محنت کرنی چاہئے' جس کے لئے میں نے subsistance level کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس دنیا میں رہنا ہے تو کوئی نہ کوئی چھت بھی سر چھپانے کے لئے ہونی چاہئے۔ کھانے پینے کا کوئی نہ کوئی ضروری بندوبست ہونا چاہئے' تن ڈھانپنے کے لئے کپڑے ہونے چاہئیں۔ احادیث میں بنیادی ضروریات کے بارے میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اب اس میں اسراف ہو رہا ہے کہ ساری توانائیاں اسی میں صَرف ہو رہی ہیں۔ عالیشان محلات بن رہے ہیں اور عیش وعشرت کے سامان جمع کئے جا رہے ہیں۔ ڈیکوریشن پیس لا لا کر سجائے جا رہے ہیں۔ یہ سب درحقیقت اپنی ان توانائیوں' قوتوں اور اوقات کا ضیاع ہے۔ اگر مقصود آخرت ہو تو اپنی توانائیوں کو آخرت کے لئے لگانا اور کھپانا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت میں ارشاد ہوا:

﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّۃٍ عَرْضُھَا کَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ؕ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴾

یہ دونوں آیتیں (۲۰'۲۱) نسبتاً طویل تر آیات ہیں' اور ان پر ایک مضمون مکمل ہو جاتا ہے۔ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کے بعد کی تین آیات (۲۲ تا ۲۴) آیت نمبر ۲۵ کے ساتھ جمع ہو کر ایک پورا سیکشن بن رہا ہے۔ آیت ۲۵ میں انقلاب کا تصور آئے گا اور وہ اس سورۂ مبارکہ کا نقطۂ عروج ہے۔ اس انقلابی جدوجہد کے لئے ظاہر بات ہے تکلیفیں جھیلنی پڑتی ہیں' جان و مال کی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ وقت بھی آتا ہے کہ انسان نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آئے۔ سرفروشی و جاں فشانی کے

بغیر' جانیں دیئے بغیر' خون دیئے بغیر دنیا میں آج تک کوئی انقلاب نہیں آیا۔ نظامِ عدل وقسط قائم کرنے کے لئے تو ان سارے مراحل میں سے گزرنا ہوگا۔ اگر حضور ﷺ اور آپؐ کے ساتھی صحابہ کرام ؓ مستثنیٰ نہیں ہیں تو اور کون مستثنیٰ ہوسکتا ہے! حضور ﷺ کو اپنے جسم اطہر پر پتھر بھی سہنے پڑے ہیں۔ آپ ﷺ کا مقدس خون طائف کی سرزمین میں بھی جذب ہوا ہے اور دامنِ اُحد میں بھی۔ آپ ﷺ مجروح بھی ہوئے ہیں' آپؐ پر غشی بھی طاری ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سینکڑوں صحابہؓ کی جانوں کا نذرانہ پیش کیا ہے' تب کہیں دین کا غلبہ ہوا ہے اور نظامِ عدل وقسط قائم ہوا ہے۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ آیت ۲۵ میں جس انقلابی جدوجہد کا ذکر آ رہا ہے' یہ تین آیات گویا اس کے لئے بمنزلہ تمہید ہیں۔

رضائے حق پہ راضی رہ.....

ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ تکالیف ومصائب انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔ انسان اگر کسی جدوجہد میں حصہ لئے بغیر Passive زندگی بسر کر رہا ہو تب بھی ان سے سابقہ پیش آ سکتا ہے۔ آدمی کو ہارٹ اٹیک ہوسکتا ہے' کینسر ہوسکتا ہے' کوئی اور مصیبت آ سکتی ہے' کوئی حادثہ ہوسکتا ہے' اور اس طرح اس کی جان جاسکتی ہے۔ یہ جان تو ہر حال میں جانی ہی ہے اور مصیبتوں سے بچنے کی یہاں پر کسی کے پاس کوئی ضمانت نہیں ہے' تو کیوں نہ انسان کسی اعلیٰ تر نصب العین کے لئے اپنی زندگی actively کھپائے اور اس کے لئے فی الواقع خطرات کا رسک لے۔ تو یہ تین آیتیں (۲۲ تا ۲۴) مضمون کے اعتبار سے ماقبل دو آیتوں کے ساتھ ملتی ہیں اور اپنے بعد آنے والی آیت ۲۵ کے ساتھ بھی مربوط ہیں۔

اس حوالے سے ان آیات پر دوبارہ غور کر لیجئے' اگرچہ ہم گزشتہ نشست میں ان کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ فرمایا: ﴿ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ ''نہیں پڑتی کوئی پڑنے والی (کوئی مصیبت' کوئی بھی ناگوار یا تکلیف دہ صورت حال)' نہ زمین میں (کسی بڑے پیمانے پر) نہ ذاتی اعتبار سے تمہاری جانوں میں

﴿اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ﴾ ''مگر یہ کہ وہ ایک کتاب میں درج ہے اس سے پہلے کہ ہم اسے ظاہر کریں''۔ کتاب سے مراد اللہ کا علم قدیم ہے۔ اللہ کے علم میں پہلے سے معین ہے کہ یہ ہونا ہے۔ اس کے حوالے سے میں عرض کر چکا ہوں کہ اللہ کے علم قدیم میں ہر شے پہلے سے موجود تھی' یہ وجودِ علمی ہے۔ جب وہ شے ظاہر ہوتی ہے' خارج میں آ جاتی ہے تو وہ گویا اس کا وجود ہے جس کو ہم مادی یا عملی وجود کہتے ہیں: ﴿اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝﴾ ''یقیناً اللہ کے لئے تو یہ بات بڑی آسان ہے''۔

اب اس کا نتیجہ کیا نکلنا چاہئے؟ ﴿لِّکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ﴾ ''تاکہ تم افسوس نہ کرو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے''۔ ''لَا تَاْسَوْا'' ''اَسِیَ یَاْسَی (افسوس کرنا' غمگین ہونا) سے فعل نہی ہے۔ سورۃ التغابن کے درس میں میں نے بڑی وضاحت کے ساتھ عرض کیا ہے کہ ایک تو طبعی اثر ہوتا ہے۔ کسی چیونٹی کے کاٹنے پر آپ کے ہاتھ میں جنبش ہوئی اور آپ نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا کہ یہ کیا ہوا' یہ reflex action ہے۔ اس درجے میں انسان پر کسی شے کا کوئی فوری ردعمل طاری ہو جائے تو یہ بات تسلیم و رضا کے منافی نہیں ہے۔ جیسے کہ آنحضور ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم ؓ جب عالم نزع میں تھے تو آپ ؐ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس پر بعض صحابہ کرام ؓ نے سوال بھی کیا کہ حضور آپ کی آنکھوں میں آنسو؟ آپ ؐ نے فرمایا: یہ تو اللہ تعالیٰ کی اُس رحمت کا ظہور ہے جو اُس نے انسان کے دل میں رکھی ہوئی ہے' لیکن ہم کہیں گے وہی کچھ جو اللہ کو پسند ہے' ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔ یہ تسلیم و رضا کا مقام ہے' یعنی راضی برضائے رب رہنا۔ کوئی شکوہ اور شکایت کا کلمہ زبان پر نہ آئے۔

رضائے حق پہ راضی رہ' یہ حرفِ آرزو کیسا؟
خدا مالک' خدا خالق' خدا کا حکم' تو کیسا!!

علامہ اقبال اس مقامِ رضا کے بارے میں کہتے ہیں۔

بروں کشید ز پیچاکِ ہست و بود مرا
چہ عقدہ ہا کہ مقامِ رضا کشود مرا!

اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا معاملہ درحقیقت ایمان کے ثمرات میں سے چوٹی کا ثمرہ ہے۔ اگر کوئی تکلیف آئی ہے تو اس کا طبعی اثر تو یقیناً ہوگا' لیکن اس سے زیادہ آپ کے اعصاب پر اور آپ کے احساسات پر اس کی چھاپ نہ پڑنے پائے۔ آپ کا طرزِ عمل یہ ہو کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس سے یقیناً اللہ کو کوئی نہ کوئی خیر ہی منظور ہوگا۔ ہم short sighted ہیں' ہم نہیں دیکھ سکتے۔ دعائے استخارہ میں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ الفاظ سکھائے ہیں: فَاِنَّکَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ ''یقیناً تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا'' وَتَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ ''تجھے ہر شے کی قدرت حاصل ہے' مجھے قدرت حاصل نہیں ہے''۔ جو بھی تیرا فیصلہ ہے میں اس پر راضی ہوں ع ''ہر کہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است!'' جو بھی کچھ میرے ساقی نے میرے پیالے میں ڈال دیا ہے وہ عین اس کا لطف وکرم ہے۔ اس کو انسان صبر وشکر کے ساتھ قبول کرے۔

نزولِ مصیبت کے وقت ﴿لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ﴾ ''جو چیز ہاتھ سے جاتی رہے اس پر افسوس نہ کیا کرو'' کی تلقین کے ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دے دی گئی: ﴿وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا اٰتٰکُمْ﴾ ''اور جو کچھ اللہ تمہیں عطا فرمائے اس پر پھول نہ جایا کرو''۔ ''فَرح'' کہتے ہیں خوشی سے پھولے نہ سمانا۔ ایک ہے طبعی خوشی ہونا۔ کوئی ایسی بات ہوئی ہے جو آپ کے جی کو پسند ہے' اس پر فوری طور پر ایک خوشی کا اظہار ہو جانا' یہ بھی تسلیم ورضا کے منافی نہیں ہوگا۔ لیکن اس سے انسان اس حد تک تاثر لے لے کہ خوشی سے پھولا نہ سمائے اور اس پر اتراتا پھرے تو یہ معاملہ درحقیقت فرح ہے' جس سے روکا گیا ہے۔ ''فرح'' کے لفظ کے اندر ہی یہ چیز موجود ہے جیسے کوئی چیز پھٹ رہی ہو ''فَـــرج'' کہتے ہیں سوراخ' رخنے یا خلاء کو' یعنی کوئی ٹوٹ پھوٹ ہو۔ اسی طرح ''فــرق'' کاٹنے والی اور علیحدہ کر دینے والی شے کو کہا جاتا ہے۔ عربی میں جو مادّے لفظی طور پر بہت قریب ہوں وہ مفہوم کے اعتبار سے بھی قریب ہوتے ہیں۔ تو فرح کہتے ہیں خوشی سے آپے میں نہ رہنا' پھولے نہ سمانا۔

اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ کردار

﴿ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾ ''اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ اکڑنے والوں کو اور شیخی خوروں کو پسند نہیں کرتا''۔ ''لَا یُحِبُّ'' اگرچہ نرم الفاظ ہیں لیکن اصل میں مراد یہ ہے کہ ایسے لوگ اللہ کو بہت ناپسند ہیں۔ یہ قرآن کا اپنا ایک اسلوب ہے کہ کسی شے کی نفی بسا اوقات سادہ انداز میں ہوتی ہے اور بسا اوقات اس کے اندر ایک زور (emphasis) ہوتا ہے۔ مُختال کا لفظ خَیْل سے بنا ہے' جس کا مطلب ہے اعلیٰ نسل کا گھوڑا۔ گھوڑے کی چال کے اندر ایک تمکنت ہوتی ہے۔ جتنی اعلیٰ نسل کا گھوڑا ہوگا اس کی چال میں تمکنت اتنی زیادہ ہوگی۔ تو ''اِخْتَـال'' کا لفظ وہاں سے لیا گیا ہے۔ آدمی کی چال ڈھال سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتا ہے' یہ کسی زعم میں ہے' اونچی ہواؤں میں ہے' اس کو کوئی غرور ہے۔ تو یہ اختیال ہے۔ اور فخر وہی لفظ ہے جو ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ''تَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ''۔ یہ فخر کرنا نسل پر ہے' حسب ونسب پر ہے' مال پر ہے' علم پر ہے' زہد وتقویٰ پر ہے۔ پھر اس کو بیان کرتے رہنا' اس کا اظہار کرنا' اللہ کو یہ چیزیں بالکل پسند نہیں ہیں۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ﴾ ''جو خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا مشورہ دیتے ہیں''۔ یہ آیت دراصل اس طرزِ عمل اور اس ذہنیت کا منطقی نتیجہ بیان کر رہی ہے۔ اگر دنیا میں انسان کو نعمتیں ملی ہیں تو ان پر فرح' پھر اختیال اور اس کے بعد فخر' یہ تینوں چیزیں درحقیقت اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ انسان کی نظروں میں اصل قدر و قیمت اس دنیا کے مال واسباب کی ہے۔ تب ہی تو وہ اس پر فخر کر رہا ہے۔ سورۃ الہمزہ میں ایک برے کردار کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ﴿اَلَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝ ﴾ ''جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اسے دوام عطا کر دے''۔ مال و دولت پر جو یہ دار و مدار اور انحصار ہے تو ظاہر بات ہے کہ جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ میرا سرمایۂ افتخار میری دولت ہے تو وہ اس دولت کو سنبھال کر رکھے گا' خرچ نہیں کرے گا۔

اس لئے کہ اسی سے تو وہ لوگوں کے اوپر رعب جھاڑ رہا ہے' اسی سے تو اس کی عزت ہے۔ ہمارے اس معاشرے میں خاص طور پر یہ لعنت انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ امیر غریب کا فرق تو پہلے بھی ہوتا تھا۔ دولت مند بھی تھے اور غریب بھی ہوتے تھے' لیکن عزت کی بنیاد دولت نہیں بلکہ کردار تھا۔ مسلمان معاشرے کے اندر وہ کیفیت ہوتی تھی کہ ایک فقیر اور درویش جو کہیں بیٹھا ہوتا تھا لوگوں کا رجوع اس کی طرف ہوتا تھا۔ اسی طرح علماء کی طرف رجوع ہوتا تھا۔ ہارون الرشید کی محبوب ملکہ زبیدہ نے حج کے موقع پر ایک بہت بڑی دینی شخصیت (جو غالباً اہل بیت میں سے تھے) کی طرف لوگوں کا التفات دیکھ کر ہارون الرشید سے کہا تھا کہ اصل حکومت تو ان کی ہے جو دلوں پر حکومت کر رہے ہیں' تمہاری حکومت تو محض لوگوں کے جسموں پر ہے۔

یہ اَقدار (values) جس معاشرے کے اندر موجود ہوں تو چاہے وہاں کچھ اونچ نیچ بھی ہو' اخلاق کا دیوالہ اس طرح سے نہیں نکلتا جیسے کہ ہمارے معاشرے میں نکل گیا ہے۔ ہمارے ہاں یہ جانتے ہوئے بھی کہ فلاں کے پاس حرام کی دولت ہے' ہیروئن کی کمائی ہے' رشوت کا پیسہ ہے یا سود خوری کا معاملہ ہے' جس کے پاس دولت ہے اس کے لئے عزت ہے۔ اس کے سامنے لوگ جھکے جا رہے ہیں' بچھے جا رہے ہیں اور اچھے اچھے لوگوں کا طرزِ عمل یہی ہے تو اس سے درحقیقت معلوم ہوا کہ ہمارے ہاں اخلاق کا دیوالہ نکل گیا' اقدار (values) کا بیڑا غرق ہو گیا۔ تو یہاں ﴿اَلَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ﴾ کے الفاظ میں دراصل یہ بات بیان ہو رہی ہے کہ چونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عزت کی بنیاد پیسہ ہے لہٰذا وہ بخل کرتے ہیں اور پیسے کو سینت سینت کر رکھتے ہیں۔ وہ اگر پیسہ خرچ کریں گے تو گویا اپنی عزت اور فخر کی بنیاد کو ڈھائیں گے۔

اس کے ساتھ ہی دوسری بات یہ کہ ﴿وَیَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ ''اور وہ دوسروں کو بھی بخل کرنے پر اکساتے ہیں''۔ جو شخص خود بخل کرے گا وہ دوسروں کو بھی بخل کا مشورہ دے گا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ایک تو بہرحال لوگوں کی نگاہ میں وہ اپنا بھی تو کوئی بھرم قائم رکھنا چاہتا ہے اور اپنے طرزِ عمل کے لئے Justification چاہتا

ہے۔ ''امر'' کا لفظ یہاں حکم کے معنی میں نہیں' بلکہ مشورہ کے معنی میں آیا ہے۔ دوسروں کو بخل کا مشورہ دینے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ بھائی کچھ عقل کے ناخن لو' کچھ سوچو' تم نے تو اپنے دونوں ہاتھ کھلے رکھے ہوئے ہیں' تمہارے ہاتھ میں تو معلوم ہوتا ہے کوئی سوراخ ہے کہ کوئی شے تمہارے پاس رکتی ہی نہیں ہے۔ تمہیں چاہئے کہ کچھ آگے کی فکر کرو' بچوں کی فکر کرو' بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے ہیں' بچوں کے لئے جائیداد بنانی ہے۔ تو بڑے ہی ناصحانہ اور خیر خواہانہ انداز میں بخل کا مشورہ دیا جاتا ہے تاکہ ہمارا بخل بھی ڈھکا چھپا رہے۔

بخل اور نفاق میں مشابہت کا ایک پہلو

یہ بالکل وہی نفسیاتی بات ہے جو میں حقیقت نفاق کے ضمن میں بارہا بیان کر چکا ہوں کہ نفاق جب اپنی تیسری منزل کو پہنچتا ہے تو پھر ان مؤمنین صادقین سے بغض اور دشمنی ہو جاتی ہے جو دیوانہ وار جان و مال کھپا رہے ہوتے ہیں۔ منافقین یہ سوچتے ہیں کہ ان کے اس دیوانہ وار اپنی جان و مال کی بازی لگانے سے ہماری بزدلی اور ہمارا بخل نمایاں ہو رہا ہے۔ اگر پکار آتی اور سب بیٹھے رہتے' کوئی بھی جنبش نہ کرتا تو سب برابر تھے۔ سیرتِ طیبہ میں ایک موقع پر ایسا بھی ہوا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب صلح ہو گئی ہے' اس کی شرائط طے ہو گئی ہیں' اب اٹھو اور یہیں پر قربانیاں دے دو اور احرام کھول دو تو صحابہ کرام ؓ میں سے کوئی ایک بھی نہیں اٹھا۔ یہ تاریخ کا ایک عجیب واقعہ ہے اور میرے لئے تو تا حال ایک عقدہ ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ کی بھی صراحت نہیں ہے کہ وہ بھی اٹھے ہوں۔ کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا تو آپؐ دل گرفتہ اور رنجیدہ ہو کر اپنے خیمے میں چلے گئے۔ وہاں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں جو بہت مدبر خاتون تھیں۔ حضور ﷺ نے ان سے جا کر کہا کہ میں نے مسلمانوں سے تین دفعہ کہا ہے کہ اب اٹھو' احرام کھول دو اور قربانی دے دو' لیکن کوئی نہیں اٹھ رہا۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ آپؐ انہیں کچھ نہ کہئے' بس آپ قربانی دے دیجئے اور اپنا احرام کھول دیجئے۔ جب آپؐ نے باہر آ کر یہ کام کیا تو سب کھڑے ہو

گئے اور آپ ﷺ کی اتباع میں قربانی کے جانور ذبح کرنے لگے اور احرام کھولنے لگے۔ میری تاویل یہ ہے کہ وہ کچھ حالت منتظرہ میں تھے کہ شاید ابھی کوئی نئی صورت پیدا ہو جائے' شاید اللہ ابھی ہمارا امتحان ہی لے رہا ہو! اس لئے ایک عجیب سی حالت منتظرہ طاری ہو گئی تھی کہ کوئی بھی نہیں اٹھا۔ لیکن اِس وقت یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ جب کوئی نہیں اٹھا تو سب برابر ہو گئے۔ اگر کچھ لوگ اٹھ جاتے اور کچھ بیٹھے رہ جاتے تو جو اٹھ گئے ہوتے اُن کا ایک مرتبہ واضح ہو جاتا کہ یہ نبی ﷺ کی پکار پر فوراً لبیک کہنے والے ہیں اور جو بیٹھے رہ گئے وہ گویا کہ تربّص و انتظار میں ہیں۔

منافقین کو یہی غصہ آتا تھا کہ جب اللہ کی راہ میں نکلنے کا حکم آتا ہے ﴿اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا﴾ کی پکار آتی ہے تو یہ بے خوف و خطر نکل پڑتے ہیں۔ یہ کچھ سوچتے ہی نہیں' اپنا نفع و نقصان دیکھتے ہی نہیں' کوئی اندیشے' کوئی خطرات ان کے پاؤں کی بیڑی نہیں بنتے۔ موسم کو نہیں دیکھ رہے کہ شدید ترین گرمی کا موسم ہے۔ یہ نہیں دیکھ رہے کہ شیر کے منہ میں جا رہے ہیں' سلطنت روما کے ساتھ ٹکر لے رہے ہیں ع ''بازی بازی باریش بابا ہم بازی!'' غزوۂ تبوک سے پہلے جو بھی جنگیں ہوئی تھیں وہ اندرونِ ملک عرب ہوئی تھیں' لیکن اب سلطنت روما کے ساتھ ٹکراؤ تھا جس کی لاکھوں کی Standing Armies تھیں۔ اور غزوۂ موتہ کے اندر بھی یہی ہوا کہ تین ہزار گئے تھے جن کا ایک لاکھ سے ٹکراؤ ہو گیا جبکہ ایک لاکھ فوج مزید موجود تھی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ دو لاکھ کے ساتھ ٹکراؤ ہوا تھا۔ بہر حال غزوۂ تبوک کے موقع پر جب نفیر عام آئی تو جن میں ایمان صادق تھا وہ نکل کھڑے ہوئے اور منافقین کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ تو دراصل یہ حقیقت ہے کہ جو شخص خود بخل کرتا ہے وہ دوسروں کو بھی بخل کا مشورہ دے گا۔ جو خود آگے نہیں بڑھنا چاہتا وہ دوسروں کو بھی نہ صرف آگے بڑھنے کا مشورہ نہیں دے گا بلکہ انہیں آگے بڑھنے سے روکے گا۔ سورۃ الاحزاب میں جنگ کے کام میں رکاوٹیں ڈالنے والے منافقین (اَلْمُعَوِّقِیْنَ) کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ ﴿هَلُمَّ اِلَيْنَا﴾ ''آؤ ہمارے پاس!'' بس یہیں پر بیٹھے رہو! کہاں جا رہے ہو؟ کیوں خطرات مول لیتے ہو؟ تو یہ ہے

وہ بات کہ وہ خود بھی بخل سے کام لیتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل ہی کا مشورہ دیتے ہیں۔

اللہ غنی اور حمید ہے

﴿وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ ''اور جو کوئی پیٹھ دکھائے گا (روگردانی کرے گا' یہ سب کچھ سن کر بھی نہ انفاق پر آمادہ ہوگا نہ جہاد کے لئے تیار ہو گا) تو (وہ سن رکھے کہ) اللہ بے نیاز اور ستودہ صفات ہے''۔ وہ غنی ہے' اسے کسی کی احتیاج نہیں ہے' کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ شریک نہیں ہوگا تو یہ کام نہیں ہوگا۔ اسے کسی کی حمد و ثنا کی بھی کوئی احتیاج نہیں ہے' وہ اپنی ذات میں خود محمود ہے۔ اللہ تو غنی اور حمید ہے۔ اگر تم نہیں آؤ گے تو اللہ کسی اور قوم کو لے آئے گا۔ ﴿اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ اس آیت پر سورۂ محمدؐ ختم ہوتی ہے۔ ''اگر تم روگردانی کرو گے' پیٹھ دکھاؤ گے تو اللہ تمہیں ہٹا کر کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے''۔ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی نہیں ہے۔

تو یہاں وہ پانچ آیات مکمل ہو گئیں جن کو میں نے قبل ازیں ایک حصہ قرار دیا تھا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیسرے رکوع کی پہلی دو آیات (۲۰'۲۱) کو ایک مستقل حصہ مانا جائے' جن میں حیاتِ دنیوی کے ناگزیر مراحل' حیاتِ دنیوی کی اصل حقیقت' انسانی زندگی کے سائیکل کی نباتاتی سائیکل سے مشابہت و مماثلت اور آخرت کی اصل اہمیت بیان کرنے کے بعد مسابقت الی الجنت کی دعوت دی گئی۔ وہ اپنی جگہ ایک مکمل مضمون تھا۔ اس کے بعد ان تین آیات میں یہ مضمون آ گیا کہ دنیوی مصائب و مشکلات اور تکالیف سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے!

اس منتخب نصاب کے حصہ پنجم میں سورۂ آل عمران کی آیات کے درس میں یہ بحث آ چکی ہے کہ یہ مشکلات و مصائب اور آزمائشیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لئے آتی ہیں کہ ایک تو تمہارے اندر اگر کہیں کوئی کھوٹ ہے تو وہ دھل جائے' تم پاک و صاف

ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ تمہیں پورے طریقے سے زرِ خالص بنا دے۔ ﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (آل عمران: ۱۴۱) ''اور تا کہ اللہ اہل ایمان کو بالکل پاک وصاف کر دے''۔ پھر یہ کہ تمہارے جوہر اسی سے نمایاں ہوں گے۔ معلوم ہو جائے گا کہ Who is Who? کس کے اندر کتنا جذبہ اور شوق جہاد تھا' کس کے اندر کتنا جذبۂ انفاق تھا! اس کے بغیر کیسے معلوم ہوتا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ کا مقام کیا ہے۔ انہی آزمائشوں سے ان کے جوہر کھلے ہیں' نکھرے ہیں' نمایاں ہوئے ہیں۔

آیۂ انقلاب

اب اس سورۂ مبارکہ کی آیت ۲۵ زیر مطالعہ آئے گی جسے میں ایک مستقل حصہ قرار دے رہا ہوں اور یہ درحقیقت اس پوری سورۂ مبارکہ کا نقطۂ عروج ہے۔ انقلاب جس شے کا نام ہے اس کی connotation کو آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے! انقلاب کہتے ہیں کسی اجتماعی نظام کو بدل دینا۔ ظاہر بات ہے کہ جو رائج الوقت Politico-Socio-Economic System ہے اس کو تلپٹ کریں گے' اس کا تختہ الٹیں گے تو کوئی اور نظام آئے گا۔ اس کے بغیر کسی دوسرے نظام کے لئے Existing System جگہ چھوڑنے کو تیار نہیں ہوگا۔ انقلابی عمل میں وعظ' نصیحت' تلقین' تعلیم' تبلیغ' یہ سب اپنی جگہ پر بہت ضروری ہیں' اس کا نقطۂ آغاز یہی ہے' لیکن اس کے بعد ایک مرحلہ آتا ہے جہاں طاقت استعمال کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ تلقین و تعلیم' وعظ و نصیحت اور دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں تمام طبقات سے نیک سرشت لوگ تو بلاشبہ کھنچ آئیں گے' جیسے کہ مقناطیس لوہ چون کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے' اور برادہ باقی رہ جائے گا۔ لیکن یہ ''برادہ'' وہ لوگ ہیں جن کے رائج الوقت نظام کے ساتھ مفادات وابستہ ہیں۔ ہمارے معاشرے میں جاگیردار کا ایک اپنا مقام ہے' وہ پورے علاقے کا مالک اور بادشاہ سمجھا جاتا ہے اور وہاں پر بسنے والے باقی لوگ اس کے کمی کاری ہیں' وہ اس کی رعیت شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ جاگیردار کبھی بھی اس کو برداشت نہیں کر سکتے

کہ جاگیردارانہ نظام ختم ہو جائے۔ اس کے لئے ظاہر بات ہے کہ بالآخر طاقت کا استعمال ناگزیر ہے۔ دراصل یہ بات کہتے ہوئے انسان جھجکتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ قتل وخون ریزی اور غارت گری کوئی اچھی بات نہیں ہے' طاقت اور اسلحہ کا استعمال کوئی مستحسن کام نہیں ہے' بس ٹھنڈی ٹھنڈی بات ہو جائے' اور بڑی ہی آسانی کے ساتھ صرف دعوت وتبلیغ سے کوئی انقلاب آ جائے تو بہت اچھا ہے۔ لیکن قرآن مجید نے اس آیت مبارکہ میں اس تلخ حقیقت کو بالکل عریاں انداز میں بیان کر دیا ہے' تاکہ کوئی اشتباہ نہ رہ جائے' بات بالکل واضح ہو جائے۔ پورا انقلابی عمل آپ کو اس ایک آیت کے اندر مل جائے گا۔

سورۃ الصف کے مضامین کا اجمالی تجزیہ

اس آیہ مبارکہ کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے سے قبل یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ سورۃ الصف کی چودہ آیات درحقیقت اس ایک آیت کی شرح اور تفصیل پر مشتمل ہیں۔ سورۃ الصف چونکہ ہم پڑھ چکے ہیں لہٰذا اس کے مضامین کو ذہن میں تازہ کیجئے۔ اس کے شروع میں ڈانٹ ڈپٹ آئی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾

''اے اہل ایمان! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ کے نزدیک یہ طرزِ عمل سخت ناپسندیدہ (اور اللہ کے غضب کو بھڑکانے والا) ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کو تو محبوب ہیں وہ بندے جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر جنگ کرتے ہیں گویا وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔''

اس سورت کا آغاز ہی قتال سے ہوا ہے۔ پھر چند آیات میں اہل کتاب کا تذکرہ آیا ہے۔ یہ گویا سورۂ حدید کے ان الفاظِ مبارکہ کی شرح ہوئی: ﴿وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ چنانچہ وہاں وضاحت

آ گئی کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا تھا' حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ انہوں نے کیا کیا' اور جب محمد رسول اللہ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کس طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد آیت آ گئی:

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ﴾

''وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد ﷺ) کو الہدیٰ اور دین حق دے کر تاکہ غالب کرے اسے کل کے کل دین پر۔ (پورے نظام زندگی پر یا تمام ادیان پر) چاہے یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار اور ناپسند ہو''۔

ان کی ناگواری کے علی الرغم یہ کرنا ہے! لیکن کریں گے کیسے؟ اہل ایمان میدان میں آئیں گے اور انہیں اپنی جانوں کا نذرانہ دینا ہوگا۔ فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾

''اے اہل ایمان! کیا میں ایسی تجارت کی طرف تمہاری رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے؟'' پختہ ایمان رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر' اور جہاد کرو اس کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو''۔

اگلی دو آیات میں پھر اس بہتری کی وضاحت کی گئی۔ ایک تو اللہ کے جو اخروی وعدے ہیں وہ بیان کر دیئے گئے:

﴿یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَیُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ﴾

''وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے دامن میں ندیاں رواں ہوں گی' اور ابدی قیام کی جنتوں میں تمہیں بہترین گھر عطا فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی''۔

اصل کامیابی تو یقیناً وہی ہے' اس لئے کہ مقصودِ اصلی تو آخرت ہے' اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے' البتہ ایک اضافی وعدہ یہ بھی ہے:

﴿وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾

''اور وہ دوسری چیز جو تمہیں محبوب ہے (وہ بھی تمہیں دے گا) اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی میں حاصل ہو جانے والی فتح۔ اے نبیؐ! اہل ایمان کو بشارت دے دیجئے!''

آخری آیت میں اللہ کی نصرت کی پکار ان الفاظ میں آئی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ؕ﴾

''اے اہل ایمان! اللہ کے مددگار بنو' جیسا کہ عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) نے حواریوں سے خطاب کر کے کہا تھا کہ کون ہے میرا مددگار اللہ کی راہ میں؟ (جواب میں) حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!''

رسولوں کے ساتھ بھیجی گئی تین چیزیں

اب ہم اس آیہ مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ فرمایا: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ ''ہم نے ہی بھیجا اپنے رسولوں کو بیّنات کے ساتھ اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی''۔ سورۃ الصّف کی آیت ۹ ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ اور سورۃ الحدید کی زیر مطالعہ آیت میں اسلوب کا یہ فرق ہے کہ وہاں واحد کے صیغے میں' تعین کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا مقصد بیان ہو رہا ہے' جبکہ یہاں اللہ تعالیٰ کا عمومی قانون اجتماعی طور پر تمام رسولوں کے بارے میں بیان ہو رہا ہے۔ یہاں ایک رسول کی بات نہیں ہو رہی ہے' بلکہ یہ ایک قاعدہ کلیہ اور قانون ہے۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا﴾ ''ہم ہی نے بھیجا اپنے رسولوں کو''۔

اب یہاں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں جو رسولوں کے ساتھ بھیجی گئیں: ﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ یعنی ہم نے اپنے رسولوں کو یہ تین چیزیں دے کر

بھیجا: (۱) بیّنات (۲) کتاب' اور (۳) میزان۔ ان میں سب سے پہلی چیز ''بینات'' ہے۔ یہ لفظ اس سورۂ مبارکہ کے دوسرے حصے میں بھی آ چکا ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ﴾ (آیت ۹) ''وہی ہے جو اپنے بندے پر آیاتِ بینات نازل کر رہا ہے''۔ اس کی میں وضاحت کر چکا ہوں کہ بیّن کہتے ہیں اُس شے کو جو از خود ظاہر ہو' خود نمایاں ہو' جس کو کسی اور دلیل کی حاجت نہ ہو' جس کی وضاحت کی کوئی ضرورت نہ ہو ع ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب!'' یہ لفظ عام طور رسولوں کے تذکرے میں معجزات کے لئے آتا ہے۔ کسی رسول کو جو معجزہ دیا جاتا تھا وہ گویا بالکل واضح کر دیتا تھا کہ یہ بات کسی انسانی صلاحیت اور طاقت سے وجود میں نہیں آ سکتی' یقیناً یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ جیسے کہ قومِ ثمود کو ان کے مطالبے پر ایک معجزہ دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اے صالح! ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اگر تم سامنے کی چٹان سے ایک گابھن اونٹنی برآمد کرا لو۔ انہوں نے اللہ سے دعا کی کہ یہ ماننے کو تیار ہیں' لہٰذا انہیں یہ معجزہ دکھا دیا جائے۔ اس پر چٹان شق ہوئی اور گابھن اونٹنی برآمد ہو گئی' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی اونٹنی (نَاقَةُ اللّٰه) قرار دیا' لیکن اس نابنجار قوم نے پھر بھی نہیں مانا۔ چنانچہ وہ قوم ہلاک کر دی گئی' برباد کر دی گئی۔ معجزے کے آنے کے بعد بھی اگر قوم ایمان نہ لائے تو پھر اس کی ہلاکت ایک طے شدہ امر ہے۔

''میزان'' کا قرآنی تصور

''بینات'' کے ذکر کے ساتھ ہی فرمایا کہ ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ دو چیزیں مزید اُتاریں ـــــ ﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ﴾ ''اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری اور میزان بھی''۔ کتاب کا لفظ تو عام فہم ہے' بالکل واضح ہے' سب سمجھ جائیں گے' جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی۔ لیکن یہاں میزان سے مراد کیا ہے؟ میزان ''وزن'' سے اسم آلہ ہے۔ اصل میں یہ ''مِفعال'' کے وزن پر ''مِـوْزان'' ہے۔ ''و'' یہاں پر ''ی'' کی شکل اختیار کر گیا اور ''میزان'' ہو گیا۔ وزن کرنے کا آلہ یعنی ترازو کو میزان کہا جاتا ہے۔ لیکن توازن کئی قسم کا ہے۔ یہاں کس قسم کا

توازن مراد ہے جسے قائم کرنے کے لئے میزان اتاری گئی ہے؟ سورۂ رحمٰن کے درس کے دوران میں نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا تھا کہ اس کائنات کے اندر ایک آفاقی توازن ہے۔ تمام اجرامِ فلکی کے درمیان ایک بیلنس قائم ہے جس کا ذکر وہاں بایں الفاظ کیا گیا: ﴿وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۝﴾ ''آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قائم کر دی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم میزان میں خلل نہ ڈالو''۔ درحقیقت یہاں مراد وہ بیلنس ہے جو تمام اجرامِ فلکی کے درمیان ہے۔ یہ تمام ستارے اور سیارے جو فضا کے اندر گردش میں ہیں ان کے مابین کشش ان کے باہمی فاصلوں کی نسبت سے ہے۔ چنانچہ یہ ایک دوسرے کو اپنی طرف اس انداز سے کھینچتے ہیں کہ ہر کرہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔(۱)

اسی طرح انسان کو زندگی گزارنے کا جو نظام اللہ عطا فرماتا ہے وہ نظام ایک میزان ہے' جس میں حقوق و فرائض کا توازن ہوتا ہے کہ فلاں کا یہ حق ہے اور یہ اس کا فرض یا اس کی ذمہ داری ہے۔ حقوق و فرائض کے بارے میں ایک عمومی اصول یہ ہے کہ جہاں زیادہ ذمہ داری ہوگی وہاں اختیار بھی زیادہ ہوگا۔ چنانچہ حقوق اور فرائض میں اگر توازن ہوگا تو وہ معاشرہ صحیح رہے گا' اور اگر اس کے اندر عدم توازن راہ پا گیا تو اسی کا نام ظلم' عدوان' زیادتی اور ناانصافی ہے۔ تو درحقیقت اللہ تعالیٰ نے جو شریعتیں نازل فرمائیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں حقوق و فرائض کا توازن قائم رہے۔ مثلاً تین چیزوں کے اندر توازن کا معاملہ ایسا ہے کہ انسان کے لئے اس کا حصول آسان نہیں ہے۔

ان میں قدیم ترین مسئلہ یہ ہے کہ عورت اور مرد کے درمیان توازن کیا ہو۔ ظاہر بات ہے دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں' عورت مرد کی محتاج ہے اور مرد عورت کا

(۱) اجرامِ فلکی کے باہمی توازن کے بارے میں علامہ اقبال نے کیا خوبصورت بات کہی ہے۔

ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں! (مرتب)

محتاج ہے' لیکن ان کے مابین حقوق وفرائض کا توازن نہیں ہو پاتا۔ یا تو عورت کو ملکیت بنالیا جاتا ہے' جوتی کی نوک سمجھا جاتا ہے' اسے یہ حیثیت دی جاتی ہے کہ نہ تو اس کے کوئی حقوق ہیں اور نہ ہی اس کا کوئی مقام ومرتبہ ہے ——— اور یا پھر عورت مرد کے بالکل شانہ بشانہ ہو کر اپنی حدود سے تجاوز کر جاتی ہے' بلکہ قلوپطرہ کی صورت اختیار کر کے پورے پورے ملکوں کی قسمت کی نیا ڈبو دیتی ہے۔ چنانچہ ان کے مابین توازن کی ضرورت ہے۔ عورت بھی یقیناً انسان ہے' اس کے حقوق بھی ہیں' اس کے احساسات بھی ہیں۔ اس کا اپنا ایک مقام ہے' معاشرے کے اندر اس کی ایک حیثیت ہے۔ وہ ماں' بہن' بیٹی اور بیوی ہے' اس کی عزت بھی ہونی چاہئے' لیکن اسے اس طرح کی آزادی نہیں دی جاسکتی کہ خاندانی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ بلکہ حقوق وفرائض میں توازن پر مبنی ایسا معاشرتی نظام ہونا چاہئے کہ فیملی ایک منظم' مستحکم اور integrated ادارہ ہو' اس کے اندر نظم وضبط ہو۔ اس لئے کہ پورے معاشرے کے امن وسکون کا انحصار اسی ادارے پر ہے۔ معاشرہ خاندانوں کے مجموعے کا نام ہے۔ دس ہزار' بیس ہزار' دس لاکھ یا بیس لاکھ خاندان ہیں جن کا نام معاشرہ ہے۔ معاشرے کی اس عمارت کے اندر اگر ہر اینٹ مستحکم نہیں ہے' اگر ہر خاندان کا ادارہ منظم نہیں ہے تو معاشرے میں انتشار اور chaos ہوگا۔

لیکن یہ سب کیسے ہو؟ یہ کون طے کرے کہ عورت کے حقوق کیا ہیں اور فرائض کیا ہیں؟ اسی طرح مرد کے حقوق کیا ہیں اور فرائض کیا ہیں؟ یہ آسان کام نہیں ہے۔ اس عقدے کا حل کرنا آسان نہیں۔ اگر مرد نظام بنائے گا تو ظاہر بات ہے کہ وہ عورتوں کے حقوق کو سامنے نہیں رکھ سکتا۔ اس کی تو اپنی نفسیات ہے۔ اسے صرف اپنے احساسات معلوم ہیں' لہٰذا وہ لازمی طور پر اپنا پلڑا بھاری رکھے گا اور اگر عورت کو موقع مل جائے تو ظاہر بات ہے اس کو صرف اپنے احساسات کا پتہ ہے' وہ مرد کی حیثیت سے سوچ ہی نہیں سکتی' وہ اس کی کیفیات کو محسوس کر ہی نہیں سکتی۔ لہٰذا وہ اپنا نظام بنائے گی۔ چنانچہ انسان محتاج ہے کہ وہ ایک متوازن نظام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

کرے جو سب کا خالق ہے۔

دوسرا پیچیدہ مسئلہ یہ ہے کہ انفرادیت اور اجتماعیت میں کیا توازن ہو؟ دنیا میں کہیں تو ملوکیت اور آمریت کے زیر اثر totalitarian society قائم ہو جاتی ہے۔ کوئی آمر مطلق اقتدار پر مسلط ہے اور لوگوں کو کوئی حقوق حاصل نہیں۔ نہ وہ اظہار خیال کر سکتے ہیں' نہ جماعت بنا سکتے ہیں۔ اس طرح کی آمریت اور ملوکیت میں فرد کچلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس معاملہ یہ ہوتا ہے کہ مکمل انفرادی آزادی ہوتی ہے جو آج مغرب میں ہے کہ جو چاہے کرو' چاہے ننگے ہو کر بازاروں میں نکل آؤ۔ دو مرد باہم شادی کرنا چاہیں تو انہیں اس کی آزادی ہے۔ ہم جنسیت (Homo sexuality) کے حق میں دلائل کے انبار لگائے جا رہے ہیں اور لمبے چوڑے قوانین وضع کئے جا رہے ہیں۔ یہ دوسری انتہا ہے کہ فرد کو ہر طرح کی آزادی حاصل ہے اور آپ کو اس کی آزادی میں دخل اندازی کا کوئی حق نہیں۔ وہ جس طرح سے چاہتا ہے اپنی جنسی خواہش پوری کرے' آپ اسے روک نہیں سکتے۔ جب ایک مرد اور ایک عورت اپنی آزاد مرضی سے زنا کریں تو یہ جرم ہے ہی نہیں' البتہ اگر بالجبر زنا (rape) ہوا ہو تو وہ جرم ہے۔ ہر مرد و زن اپنے جسم کا مالک ہے' اسے اس پر پورا اختیار ہونا چاہئے' زیادہ سے زیادہ شوہر یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے حق پر دست درازی ہو گئی ہے۔ وہ جا کر سول کورٹ میں کیس کرے۔ اگر کسی کی بیوی اپنی مرضی سے کسی دوسرے شخص کے ساتھ تعلقات قائم کر لیتی ہے تو اس معاملے میں کوئی کریمنل کیس نہیں بنے گا۔ اب یہ آزادی کی انتہا ہے' جسے مادر پدر آزادی کہا جاتا ہے۔ مغربی معاشرہ اس انتہا کو نکل گیا ہے۔ اب فرد اور اجتماعیت میں کیا توازن ہو؟ یہ دوسرا نہایت پیچیدہ مسئلہ ہے۔

انسانی معاشرے کا تیسرا پیچیدہ مسئلہ جو حال ہی میں پیدا ہوا ہے وہ مزدور اور سرمائے کے درمیان توازن کا ہے۔ یہ مسئلہ دراصل صنعتی انقلاب کے بعد پیدا ہوا ہے' اس سے پہلے یہ مسئلہ نہیں تھا۔ ایسے بڑے بڑے کارخانوں کا کوئی تصور ہی نہیں تھا کہ جن میں بیس بیس' تیس تیس ہزار آدمی کام کر رہے ہوں۔ لہٰذا بڑا سادہ سا مبادلہ ہوتا

تھا۔ جس نے کھیت میں کام کیا' ہل چلایا اور گندم اگائی' وہ گندم کی کچھ مقدار لے کر اُس جولاہے کے پاس چلا جاتا جو کرگھے یا کھڈی پر بیٹھا کھدر بن رہا ہوتا اور گندم کے عوض اس سے کھدر لے لیتا۔ اس طرح دونوں کی ضرورت پوری ہو جاتی۔ یہ مبادلہ (بارٹر سسٹم) پر مبنی سادہ ترین معیشت تھی۔ لیکن اس کے بعد پھر سرمایہ وجود میں آیا۔ اب سونے کو کرنسی کا درجہ حاصل ہو گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ایک تولہ سونا برابر ہے اتنے من گندم کے۔ چنانچہ جس نے اپنے پاس سونا جمع کر لیا اس کے پاس طاقت ہے' وہ جب چاہے گا مارکیٹ کو destabilize کر دے گا۔ وہ جب چاہے گا گیہوں کی بہت بڑی مقدار خرید لے گا اور قیمت بڑھا دے گا اور جب چاہے گا اسے منڈی میں لے آئے گا۔ پھر ذخیرہ اندوزی اور دولت کا ارتکاز اسی سے شروع ہوا۔ کوئی شخص اپنے پاس کتنی گندم جمع کر سکتا تھا اور اسے کتنی دیر رکھ سکتا تھا؟ لیکن سونا تو آپ جتنا چاہیں اور جب تک چاہیں رکھ سکتے ہیں۔ سونا خراب نہیں ہوتا' اس کا کچھ بگڑتا نہیں۔ ایچ جی ویلز نے بڑی خوبصورت بات لکھی ہے کہ انسان کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ کرنسی کی ایجاد سے وہ کتنی بڑی لعنت کا طوق اپنی گردن میں ڈال رہا ہے۔ اس کے بعد پیپر کرنسی آئی تو اس سے مزید کئی لعنتوں کے دروازے کھلتے چلے گئے۔ اس پیپر کرنسی کی بدولت آج پوری نوع انسانی کی معیشت کا حال شیش محل کی مانند ہے۔

لو سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا!

پھر یہ کہ بڑے بڑے کارخانے ہیں' جن کے مالک سرمایہ دار ہیں۔ یہاں مزدور اور سرمایہ دار کے درمیان ایک کشمکش چل رہی ہے۔ کارل مارکس کا سارا فلسفہ لیبر کی سرپلس ویلیو پر چلا ہے' جس کی بنیاد پر اتنا بڑا انقلاب آیا اور خون خرابہ ہوا۔ وہ سارا مسئلہ یہ ہے کہ مزدور اپنے حقوق کا اور سرمایہ دار اپنے سرمائے کا تحفظ چاہتا ہے۔ سرمایہ دار کارخانہ بند کر کے مزدور کو بے روزگار کر سکتا ہے۔ مزدور غریب کو معلوم ہے کہ اگر چار دن مجھے مزدوری نہیں ملی تو میرے گھر کے اندر فاقہ آ جائے گا' میرے بچے کے پینے

کے لئے دودھ کہاں سے آئے گا؟ لہٰذا وہ کارخانے کے مالک کے رحم وکرم پر ہے کہ وہ اُسے جو اُجرت دے گا اس پر وہ کام کرنے پر مجبور ہے۔ یہ استحصال کی بدترین شکل ہے جو سرمایہ داری کی صورت میں مسلط ہے۔

تو یہ ہیں اصل میں تین مسائل جن میں حقوق وفرائض کے مابین توازن پر مبنی نظام سوائے اللہ کے کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ حقیقت ہے جس کو اگر لوگ سمجھ لیں تو شریعت کی عظمت اور اہمیت سامنے آئے گی۔ اسی لئے شریعت کو میزان کہا گیا۔ یہاں میزان سے ترازو مراد نہیں ہے کہ اللہ نے آسمان سے ترازو اتاری' بلکہ یہ کہ اُس نے کتاب اتاری۔ اور کتاب کے ساتھ شریعت کا جو نظام اتارا ہے وہ حقوق وفرائض کا ایک متوازن' balanced' منصفانہ اور عدل وقسط پر مبنی نظام ہے جو اُس نے عطا کیا ہے۔

ارسالِ رُسل کی غرض وغایت

اب اس آیت کو پڑھئے: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾ ''ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو بینات کے ساتھ''۔ یعنی معجزات اور براہین کے ساتھ۔ ﴿وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ ''اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتاری اور میزان (شریعت) بھی''۔ ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''۔ یہ ہے اصل میں اس آیت کی جان جو اِن الفاظ میں ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ کس لئے اتارا؟ رسول کس لیے بھیجے؟ کتاب کس لئے نازل کی؟ میزان کس لئے اتاری؟ تاکہ میزان نصب ہو!—— اس لئے نہیں کہ کتاب کی تلاوت کرتے رہو اور ثواب لیتے رہو۔ یہ کتاب اس لئے آئی تھی کہ اسے قائم کرو۔ یہ میزان اس لئے دی گئی تھی کہ میزان نصب ہو۔ جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بیعت خلافت کے موقع پر فرمایا تھا: ''لوگو! تم میں سے جو قوی ہے میرے نزدیک وہ ضعیف ہوگا جب تک کہ اس سے حق وصول نہ کرلوں اور جو ضعیف ہے وہ قوی رہے گا جب تک کہ اسے اس کا حق دلا نہ دوں''۔ یہ ہے اصل میں وہ نظام عدل و قسط جسے قائم کرنے کے لئے حضور ﷺ مبعوث ہوئے۔ چنانچہ آپ ﷺ سے فرمایا گیا: اے نبی کہہ دیجئے! ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾

(الشوریٰ:۱۵) ''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں!''—— دیکھو مجھے تم واعظ نہ سمجھنا جو ٹھنڈا ٹھنڈا وعظ کہتا ہے' میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ ایک گاؤں میں وعظ سنایا تو کچھ ہار گلے میں ڈلوائے' کچھ حلوے مانڈے کھائے اور اگلے گاؤں چلا گیا' پھر وہاں وعظ کیا۔ میں وہ نہیں ہوں (معاذ اللہ' ثم معاذ اللہ!) مجھے تو بھیجا گیا ہے اس لئے کہ میں عدل قائم کروں!

عدل کا مطلب کیا ہے؟ جو اپنے حق سے زائد لے رہا ہے اُس شیر کے منہ سے نوالہ نکالیں گے تو عدل ہوگا نا! اور کیا وہ اس کو پسند کرے گا؟ وہ تو مزاحمت کرے گا۔ چنانچہ عدل کو قائم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اسے عدالت والا عدل نہ سمجھئے۔ عدالت والا عدل تو یہ ہے کہ آپ کے ہاں جو بھی قانون رائج ہے اس کے تحت عدالت نے فیصلہ دے دینا ہے' اگرچہ وہ قانون ہی نامنصفانہ ہو۔ اگر اس نظام کی بنیاد ہی استحصال پر قائم ہے تو عدالت سے عدل کی کیا توقع ہو سکتی ہے؟ آپ نے تو چور کو سزا دے دی' کیونکہ آپ کے سول کوڈ میں لکھا ہوا ہے کہ جو چوری کرے گا اس کو یہ سزا ملے گی۔ لیکن آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ جس نے چوری کی ہے اس کا تعلق اُس طبقے سے تھا جس کا مسلسل استحصال ہو رہا ہے اور اس نے جا کر کسی جاگیردار کے گھر کے اندر نقب لگائی ہے تو جاگیردار کے پاس جو دولت ہے وہ جائز طریقے سے آئی تھی یا ناجائز ذرائع سے؟ عدالت ان امور سے بحث نہیں کر سکتی۔ عدالت تو صرف ملکی نظام کے تحت رائج قانون کے تحت فیصلہ کرے گی کہ اس نے چوری کی ہے اور اس کی چوری کی سزا اسے مل رہی ہے—— جبکہ اصل شے نظام ہے۔ رسولوں کی بعثت عادلانہ و منصفانہ نظام (Politico-Socio-Economic System) قائم کرنے کے لئے ہوئی ہے۔ اسی کے بارے میں یہاں الفاظ آئے ہیں: ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''۔

اس نظامِ عدل وقسط کا قیام اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر اہمیت رکھتا ہے اور اس پر قرآن حکیم میں کس قدر زور (emphasis) ہے اس کو سمجھانے کے لئے میں قرآن

حکیم سے چند حوالے پیش کر رہا ہوں۔

ہمارے دین میں سب سے بنیادی حوالہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہیں۔ اس کے ضمن میں سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ﴾ (آیت ۱۸) ''اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں' اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف کا قائم کرنے والا ہے''۔ یہاں اللہ کی یہ شان اور یہ صفت بیان ہوئی ہے کہ وہ عدل وقسط قائم کرنے والا ہے۔ اُس نے روزِ جزا کا معاملہ رکھا ہی اس لئے ہے کہ عدل وقسط قائم ہو۔

دوسرا اہم معاملہ رسالت کا ہے۔ رسالت کی شان یہ بیان ہوئی ہے کہ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ﴾ اور یہ Generalised Statement ہے' تمام رسولوں کے بھیجنے کا مقصد یہی تھا۔ تمام کتابوں اور تمام شریعتوں کے نزول کا مقصد یہی تھا: ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ عدل و قسط پر قائم ہوں''۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ اے نبیؐ! آپ ڈنکے کی چوٹ کہہ دیجئے کہ ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾ ''میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تمہارے مابین عدل قائم کروں''۔

اس کے بعد اُمت کا معاملہ آتا ہے۔ اُمت کے لئے جو بات سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ میں کہی گئی ہے وہ ایک ہی ہے' صرف ترتیب بدل گئی ہے۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہوا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾ (آیت ۱۳۵) ''اے ایمان کے دعوے دارو! (پوری قوت کے ساتھ) عدل وانصاف کو قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بن جاؤ! چاہے یہ بات تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں کے خلاف جا رہی ہو''—— تمہیں عدل وانصاف کی بات کہنی ہے' یہ نہیں دیکھنا ہے کہ اس سے میری اپنی ذات کو یا میرے ماں باپ کو یا میرے خاندان اور رشتہ

داروں کو نقصان پہنچ جائے گا۔ جو بات عدل کی ہے وہ ڈنکے کی چوٹ کرو۔

یہی بات ذرا ترتیب بدل کر سورۃ المائدۃ کے اندر آتی ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ (آیت ۸) ''اے اہل ایمان! اللہ کی خاطر عدل و انصاف کی گواہی دینے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ! اور دیکھنا کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل سے انحراف کرو۔ عدل کرو' یہ پرہیزگاری سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے''۔ مقدم الذکر آیت میں فرمایا گیا ہے کہ حق کی بات کہو چاہے وہ تمہاری اپنی ذات' تمہارے والدین یا تمہارے اپنے کنبے قبیلے کے خلاف جا رہی ہو۔ دوسری آیت میں وہی بات برعکس طور پر کہی کہ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل سے انحراف کرو۔ عدل سے کام لو' یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ یہ ہے عدل و قسط کی اہمیت جو قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہے۔ اور مطلوب یہ ہے کہ یہ عدل و قسط اجتماعی نظام کی شکل میں ہو۔

(اس موضوع پر' ان شاء اللہ العزیز' اگلی نشست میں گفتگو جاری رہے گی)

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ○○

بقیہ : حرفِ اول

سے دستبرداری کا فیصلہ کر چکے ہیں اور قومی سطح پر خودکشی پر تلے ہوئے ہیں۔

نصابِ تعلیم کی اصلاح یقیناً ضروری ہے۔ لیکن یہ اصلاح اس نقطۂ نگاہ سے ہونی چاہئے کہ ہمیں اپنے قومی ہدف یعنی ''ایک فلاحی جمہوری اسلامی ریاست'' کی طرف پیش قدمی کرنی ہے اور اپنی نظریاتی جڑوں کو مضبوط بنانا ہے۔ ہمیں اس معاملے میں مفکرِ مصورِ پاکستان کی تعلیمات کو اپنے سامنے رکھنا ہوگا' جنہوں نے فرمایا تھا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

موجودہ حکمرانوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ قوم کی تقدیر کے فیصلے اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے پارلیمنٹ میں ان اہم معاملات کو غور و فکر اور فیصلے کے لئے پیش کریں۔ ورنہ پوری قوم کی تباہی و بربادی کا جرم موجودہ حکمرانوں کی گردن پر آئے گا۔○○

سلسلۂ نباتات قرآن (قسط 2)

اَعناب (Grapes)

تحریر: سید قاسم محمود

عربی : اعناب (واحد: عنب)	اردو، ہندی : انگور
فرانسیسی : Vigne-cultive	فارسی : انگور
ہسپانوی : Uva	جرمن : Frapa
لاطینی : Acinus	عبرانی : Enov
روسی : Vinograd	نباتاتی نام : Vitis vinifera Limm

قرآن مجید میں اس خوش ذائقہ، مفید اور چھوٹے سے پھل کا نام گیارہ مقامات پر آیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱) ﴿اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِیْهَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْکِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ۝﴾ (البقرة:٢٦٦)

”کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ایک ہرا بھرا باغ ہو، نہروں سے سیراب، کھجوروں اور انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں سے لدا ہوا، اور وہ عین اُس وقت ایک تیز بگولے کی زد میں آ کر جھلس جائے جبکہ وہ خود بوڑھا ہو اور اس کے کمسن بچے ابھی کسی لائق نہ ہوں؟ اس طرح اللہ اپنی باتیں تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، شاید کہ تم غور و فکر کرو“۔

۲) ﴿وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۝﴾ (الانعام:٩٩)

”اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی،

پھر اس سے ہرے بھرے کھیت اور درخت پیدا کئے' پھر ان سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے نکالے' اور کھجور کے شگوفوں سے پھلوں کے گچھے کے گچھے پیدا کئے جو بوجھ کے مارے جھکے پڑتے ہیں' اور انگور' زیتون اور انار کے باغ لگائے' جن کے پھل ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں اور پھر ہر ایک کی خصوصیات جدا جدا بھی ہیں۔ یہ درخت جب پھلتے ہیں تو ان میں پھل آنے اور پھر ان کے پکنے کی کیفیت ذرا غور کی نظر سے دیکھو۔ ان چیزوں میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں''۔

۳) ﴿وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (الرعد:٤)

''اور دیکھو زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں' انگور کے باغ ہیں' کھیتیاں ہیں' کھجور کے درخت ہیں' جن میں سے کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دوہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے' مگر ذائقے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کم تر۔ ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں''۔

۴) ﴿یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل:١١)

''وہ پانی کے ذریعے سے فصلیں اگاتا ہے' اور زیتون اور کھجور اور انگور اور طرح طرح کے دوسرے پھل پیدا کرتا ہے۔ اس میں ایک بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

۵) ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ﴾ (النحل:٦٧)

''کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں سے بھی ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں جسے تم نشہ آور بھی بنا لیتے ہو اور پاک رزق بھی۔ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے عقل سے کام لینے والوں کے لئے۔''

٦) ﴿اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا﴾ (الاسراء:٩١)

''یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کر دے۔''

٧) ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَیْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَیْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَیْنَهُمَا زَرْعًا﴾ (الکہف:٣٢)

''اے نبیؐ! ان کے سامنے ایک مثال پیش کرو۔ دو شخص تھے' ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیئے اور ان کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگائی اور ان کے درمیان کاشت کی زمین رکھی۔''

۸) ﴿فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۫ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ﴾ (المومنون:۱۹)

''پھر اس پانی کے ذریعے سے ہم نے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغ پیدا کر دیئے۔ تمہارے لئے ان باغوں میں بہت سے لذیذ پھل ہیں اور تم ان سے روزی حاصل کرتے ہو۔''

۹) ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۞ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ﴾ (یٰسٓ:۳۳'۳۴)

''ان لوگوں کے لئے بے جان زمین ایک نشانی ہے۔ ہم نے اس کو زندگی بخشی اور اس سے غلہ نکالا جسے یہ کھاتے ہیں۔ ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے اور اس کے اندر سے چشمے نکالے۔''

۱۰) ﴿اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ۞ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۞﴾ (النبا:۳۱'۳۲)

''یقیناً متقیوں کے لئے کامرانی کا ایک مقام ہے' باغ اور انگور۔''

۱۱) ﴿فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۞ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۞﴾ (عبس:۲۷'۲۸)

''پھر اس کے اندر اگائے غلے اور انگور اور ترکاریاں۔''

کھجور کے بعد انگور روئے زمین کا قدیم ترین پھل ہے۔ یہ تو اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ نشہ آور پھل سب سے پہلے کس خطے میں نمودار ہوا' تاہم ماہرین نباتیات طویل تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انگور کا اصلی وطن آرمینیا اور آذربائیجان کے پہاڑی سلسلے ہیں۔ اس ضمن میں کوئی چار ہزار سال پہلے کی شہادتیں دستیاب ہو چکی ہیں۔ انگور کی کاشت پہلے پہل اسی علاقے میں ہوئی۔ پھر یہاں سے یہ ایران' عرب اور مصر پہنچا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں انگور کی کاشت ہوتی تھی۔ فراعنۂ مصر کے جو مقبرے دریافت ہوئے ہیں' ان میں ممیوں کے ساتھ جو چیزیں بطور تبرک رکھی ہوئی ملی ہیں' ان میں انگور کے بیج بھی شامل ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصر میں پھلوں میں غالباً انگور ہی سب سے پہلے کاشت کیا گیا تھا۔

ظہورِ اسلام سے قبل شام' عراق' فلسطین' حجاز' یمن اور حضرموت میں انگور کی اعلیٰ

درجے کی اقسام کی کاشت ہوتی تھی' جن سے طرح طرح کی شرابیں بکثرت کشید کی جاتی تھیں۔شراب سازی کا فن یا صنعت' جو بھی آپ اسے خیال کریں' ان علاقوں کے علاوہ مصر' یونان اور روم میں بھی عام تھا۔گلی گلی' کوچہ کوچہ' گھر گھر شراب سازی ہوتی تھیں۔

شاعر ہومر کے زمانے میں یونان میں شراب پانی کی طرح پی جاتی تھی اور اہلِ یونان کی معاشرتی زندگی میں ایک اعزاز و وقار کی چیز بن گئی تھی۔ جو جتنی زیادہ شراب پیتا تھا' وہ اُتنا ہی زیادہ معزز و محترم تھا۔

ظہورِ اسلام کے بعد شراب سازی ممنوع اور شراب نوشی حرام قرار دی گئی' البتہ انگور کی کاشت برابر جاری رہی' نہ صرف جاری رہی' بلکہ انگور کی پیداوار بڑھانے کے اقدامات کی حوصلہ افزائی کی گئی' تاکہ صحرائی عربوں کو کھجور کے ساتھ ساتھ انگور جیسا مفید اور خوش ذائقہ پھل بھی بکثرت میسر آئے۔ یہ حقیقت ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل عرب کی سرزمین اور یہاں پر آباد قبائلی باشندے ہر طرح کے معاشرتی اَمراض اور اخلاقی بیماریوں اور تمدنی کمزوریوں میں مبتلا تھے۔ ان امراض' بیماریوں اور کمزوریوں کی جڑ اُمّ الخبائث یعنی شراب کا بکثرت استعمال تھی۔ کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے اکثر قبائل میں قتل وقتال رہتا تھا۔ چنانچہ اسلام نے اس جڑ کو ہمیشہ کے لئے کاٹنے کے لئے شراب سازی کو ممنوع اور شراب نوشی کو حرام قرار دے دیا' لیکن یہ امتناعی حکم یکا یک اور متشددانہ انداز میں نافذ نہیں کیا گیا' بلکہ مرض کی شدت اور ہمہ گیری کے پیشِ نظر' رفتہ رفتہ اور نفسیاتی اقدامات کے ذریعے کیا گیا' تاکہ جوں جوں لوگ اسلام کو قبول کرتے جائیں' توں توں اپنے پرانے امراض سے بھی چھٹکارا پاتے جائیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں پہلے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۱۹ نازل ہوئی:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾

''اے نبیؐ! لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ ان میں نقصان بڑے ہیں' اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں' مگر ان کے نقصان فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں۔''

اس آیت میں شراب نوشی کے صرف نقصان کی طرف توجہ دلائی گئی تھی۔ اسے ممنوع قرار نہیں دیا گیا۔ اب دوسرا اقدام کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ سورۂ نساء کی آیت ۴۳ کے ذریعے حکم سنا دیا گیا کہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ.....﴾

''اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک' جو منہ سے کہو' سمجھنے نہ لگو' نماز کے پاس نہ جاؤ.....''

گویا اب بھی شراب کی ممانعت نہ ہوئی۔ صرف اتنا کہا گیا کہ نماز کے وقت کسی قسم کا نشہ نہ ہونا چاہئے۔ مرض کا پورا تدارک اب بھی نہ ہوا۔ چنانچہ سورۃ المائدۃ کی آیات ۹۰ اور ۹۱ کے ذریعے حکم بھی آ گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۞﴾

''اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے' یہ سب ناپاک کام اعمالِ شیطان سے ہیں' سو ان سے بچتے رہنا' تاکہ نجات پاؤ۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے درمیان دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے۔ پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟''

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے نصیحت آئی' پھر تاکید آئی اور آخر میں مکمل ممانعت۔ اس کے بعد مسلمانوں نے شراب کے تمام ظروف' صراحیاں اور جام توڑ توڑ کر مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھینک دیئے۔ بعض مسلمانوں نے چاہا کہ شراب پھینکنے کی بجائے اپنے ہم وطن یہودیوں کو بطور تحفہ دے دیں' لیکن انہیں اس کی اجازت نہیں دی گئی۔

شراب سازی اور شراب نوشی کے نقصانات ساری دنیا کو سگریٹ سازی اور سگریٹ نوشی کے نقصانات کی طرح خوب معلوم ہیں' لیکن چھٹتی نہیں ہے' یہ کافر منہ کو لگی ہوئی ہے! غیر مسلم ممالک میں اب بھی اس کا بہت زور ہے۔ عوام سے خواص تک' مغربی ممالک میں' بچے بوڑھے' جوان مرد و زن اس کے نشے میں خمار آلود ہیں۔ بے شک ان ملکوں میں انگور بطور پھل بھی بہت کھایا جاتا ہے' لیکن انگور کی ۸۰ فیصد پیداوار کو قسم قسم کی شرابوں کی کشید کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور صرف سات فیصد پیداوار کشمش اور مٹھی بنانے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ یورپی ممالک اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں انگور کی شراب سب سے زیادہ پی جاتی

(باقی صفحہ 59 پر)

سُنّت

قرآن کی روشنی میں

تحریر: محمد سعید الرحمٰن علویؒ

لغت میں سنّت نام ہے طریقہ، منہج، سیرت اور راستہ کا۔ لسان العرب میں مادہ ''سنن'' کے ذیل میں بڑی تفصیل دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ابن درید (م ۳۲۱ھ) نے اپنی کتاب ''الجمهرة'' (ص ۹۵) میں، اسماعیل بن حماد الجوہری (م ۳۹۳ھ) نے ''الصحاح'' (ص ۵۔۲۱۳۹) میں، ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا (م ۳۹۵ھ) نے ''معجم مقاییس اللغۃ'' (ص ۳۔۶۱) میں، امام راغب اصفہانی (م ۵۰۶ھ) نے ''المفردات'' (ص ۲۴۵) میں، امام زمخشری (م ۵۳۸ھ) نے ''الاساس'' (ص ۲۲۱) میں، مجدالدین ابوالسعادات (م ۶۰۶ھ) نے ''النہایہ'' (ص ۲۔۲۰۱) میں، محمد مرتضیٰ الزبیدی حنفی (م ۱۲۰۵ھ) نے ''تاج العروس'' (ص ۹۔ ۲۴۶) میں جو تفصیلات دی ہیں ان سے وہی واضح ہوتا ہے جس کا ذکر ہم نے ابتدا میں کیا۔ زبیدی سمیت سب یہی کہتے ہیں:

السنة السيرة حسنة كانت او قبيحة (حوالہ مذکورہ بالا)

اور اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے فاضل مقالہ نگار بھی یہی کہتے ہیں:

''اصلاً اچھا طریقہ اور برا طریقہ۔'' (ج ۱۱، ص ۳۹۲، مطبوعہ ۱۹۷۵)

دلیل کے طور پر نبی مکرم، خاتم النبیین والمعصومین محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ کے اس ارشاد مبارک کو نقل کیا جس میں ہے:

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً..... وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً

سَیِّئَۃً...... (صحیح مسلم' کتاب العلم)

اصطلاح میں جب ہم سنّت کے معنی و مفہوم پر نظر ڈالتے ہیں تو یہاں علماء' محدثین' ائمہ مجتہدین اور فقہاءِ اُمت اس کے معنی میں اختلاف کرتے نظر آتے ہیں' لیکن یہ اختلاف محض تفصیلات کا ہے' حقیقت بنیادی طور پر ایک ہی ہے۔ عصرِ حاضر کے ایک فاضل کے بقول:

''حضراتِ محدثین حضور اکرم ﷺ کی ذات کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہیں' کیونکہ آپ مقتدیٰ اور ہادی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اُسوہ کو نشانِ راہ قرار دیا ہے' اس لئے حضراتِ محدثین آپؐ کی سیرت' اخلاق اور شمائل سب ہی کو اس میں شامل کرتے ہیں اور آپؐ کے اقوال' افعال اور اخبار سب ہی کا اعتبار کرتے ہیں' قطع نظر اس کے کہ اس سے کوئی حکم شرعی ثابت ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ علماءِ اصول اس حوالہ سے بحث کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات شریعت کے لئے مبیّن ہے۔ فقہاء کے نزدیک آپ ﷺ کے افعال حکم شریعت پر دلالت کرتے ہیں۔'' (السنة ومكانتها فی ضوء القرآن' ص ١٩٦)

گویا مختصراً یوں کہا جا سکتا ہے:

كل ما اثر عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم من قول او فعل او تقرير او صفة خلقية او سيرة سواء كان ذلك قبل البعثة ام بعدها ' والسنة بهٰذا المعنی مرادفة للحديث النبوی

(السنة قبل التدوين' ص ٦ لمحمد عجاج الخطيب)

الشاطبی (م ۷۹۰ھ) جیسے صاحب نظر عالم کے بقول:

''سنّت کے تین معنی ہیں: سنّت بمقابلہ بدعت' سنّت بمعنی اقوال و افعال رسولؐ اور سنّت سے مراد وہ احکام ہیں جن پر صحابہ کرام علیہم رضوان کا عمل رہا ہو' چاہے ان کا ذکر کتاب و سنّت میں ہو یا نہ ہو' اس لئے کہ یہ بھی دراصل کسی سنّت کی متابعت ہے جو ان کے نزدیک ثابت ہے''۔ (بحوالہ دائرۃ المعارف' ج ۱۱' ص ۳۹۷)

لفظ ''سنّت'' قرآن عزیز میں ۱۶ مقامات پر آیا ہے۔ ان ۱۶ مقامات پر اس کے تین معانی ہیں: سُنَّةُ اللّٰهِ ـــــ سُنَّةُ الرُّسُلِ ـــــ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ.

"سُنَّةُ اللّٰہِ" سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ عادت مستمرہ ہے جو اس کی طرف سے اس کے بندوں کے حق میں جاری ہے۔ اس معنی میں یہ لفظ ۹ مقامات پر آیا ہے: الاسراء: ۷۷، الاحزاب: ۳۸، ۶۲، فاطر: ۴۳، المؤمن: ۸۵، یونس: ۹۰، ۹۱، الفتح: ۲۳ (دو بار)

"سُنَّة الرُّسُل" کے حوالہ سے ایک ہی بار الاسراء کی آیت ۷۷ میں یہ لفظ آیا ہے جس کا اہل علم یہ مفہوم بیان کرتے ہیں:

ای مجموعة اقوالهم وافعالهم واخلاقهم واعمالهم التی تُسمی السنة والاحادیث (السنّة فی ضوء القرآن، ص ۱۹۰)

چھ مقامات پر یہ لفظ "سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ" کے حوالہ سے آیا ہے۔ اس ضمن میں اچھے اور برے دونوں ہی قسم کے لوگوں کا حوالہ ہے۔ یہ مقامات مندرجہ ذیل ہیں: آلِ عمران: ۱۳۷، النساء: ۲۶، الانفال: ۳۸، الحجر: ۱۳، الکہف: ۵۵، فاطر: ۴۲ تا ۴۴۔

ان تمام آیات میں بغیر کسی اضافت کے یہ لفظ لغوی معنی "السّبیل والطّریق" کے معنی میں آیا ہے، لیکن جب اضافت ہو جائے تو حسب حال "سُنَّةُ اللّٰہِ" "سُنَّةُ الرُّسُل" اور "سُنَنُ مِنْ قَبْلِنَا" مراد ہوگا۔ جب یہ لفظ تعلیماتِ اسلامیہ کے ضمن میں مطلق بولا جائے گا تو اس سے سُنَّةُ الرَّسُوْل صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہوگا، جیسے "الکتاب" کا لفظ مطلق بولا جائے تو مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب ہوتی ہے۔

لہٰذا اصطلاحِ شریعت میں مطلقاً سنّت کا معنی "سُنَّةُ الرَّسُوْل وَاَحَادِیْثُہ" ہوگا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو سنّت و حدیث کے معاملہ میں ناپسندیدگی کا شکار ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کریم پورے دین، اس کے احکامات، لوازمات اور ضروریات پر مشتمل ہے، اس لئے اس کے ہوتے ہوئے مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں ـــــ بدنصیبی یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے اس موقف و دعویٰ کے لئے دلیل کے طور پر قرآن مجید کی دو آیات پیش کرتے ہیں ـــــ گویا وہ کتاب مقدس جو پیغمبرِ اسلام و مسلمین ﷺ کے حقوق پر سب سے بڑھ کر زور دیتی ہے، ان کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیتی ہے (النساء: ۸۰) اس کی آڑ میں نبی اُمّی ﷺ کے حق کا

انکار کیا جاتا ہے ـــــــ فیاحسرتا

وہ دو آیات جو کم سواد اور کور باطن حضرات پیش کرتے ہیں' ان میں سے ایک تو سورۃ الانعام کی آیت ۳۸ ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ﴾

''ہم نے اس کتاب (قرآن مجید) میں کچھ نہ اٹھا رکھا''۔

دوسری سورۃ النحل کی آیت ۸۹ ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ﴾

''ہم نے آپؐ پر یہ قرآن اتارا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے''۔

پہلی آیت (الانعام: ۳۸) میں ''الکتاب'' سے مراد قرآن عزیز ہے ہی نہیں' اس سے مراد ''لوح محفوظ'' ہے۔ یہ بڑی زیادتی ہے کہ من مانے معانی کے لئے ایسی حرکات کی جائیں۔ ایسے لوگ نہیں جانتے کہ اس کا انجام کیا ہے؟ سب سے پہلے تو اس کا پورا متن اور ترجمہ دیکھ لیا جائے:

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُکُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ﴾

''اور (دیکھو) زمین میں چلنے والا کوئی حیوان اور ہوا میں پروں سے اڑنے والا کوئی پرند ایسا نہیں جو تمہاری ہی طرح امتیں نہ رکھتا ہو (یعنی تمہاری طرح ان میں سے ہر گروہ اپنی اپنی معیشت اور اپنا اپنا سروسامانِ کار نہ رکھتا ہو) ہم نے نوشتے میں کوئی بات بھی فروگزاشت نہیں کی (یعنی کائنات کی ہر مخلوق کے لئے جو کچھ ہونا چاہئے تھا وہ سب کچھ اس کے لئے لکھ دیا' کسی مخلوق کے لئے بھی فروگزاشت نہیں ہوئی) پھر سب (بالآخر) اپنے پروردگار کے حضور جمع کئے جائیں گے (کہ آخری مرجع وہی ہے)''۔ (ترجمان القرآن لابی الکلام' ج ۲' ص ۱۷۔۱۶' ساہیہ اکیڈمی' دہلی ۱۹۸۰ء)

پوری آیت کا ترجمہ و مفہوم ملاحظہ کرنے کے بعد وہی شخص اس سے قرآن مراد لے سکتا ہے جو قصداً اندھا بہرا بنتا ہے یا جسے ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے کوئی

مخفی عناد ہے ــــ (اعاذ نا اللہ تعالیٰ منہا)

القرطبی "فی الکتاب" کا سیدھا سادا مفہوم لکھتے ہیں:

ای فی اللوح المحفوظ فانه اثبت فيه ما يقع من الحوادث

(ج٦' ص ٤٢٠' بیروت ١٩٦٥ء)

دوسری آیت (النحل: ٨٩) کا متن اور ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۝﴾

''اور وہ (آنے والا) دن جب ہم ہر ایک اُمت میں ایک گواہ (یعنی پیغمبر) اٹھا کھڑا کریں گے جو انہی میں سے ہوگا (اور جو بتلائے گا کہ کس طرح اس نے پیامِ حق پہنچایا اور کس طرح لوگوں نے اس کا جواب دیا) اور (اے پیغمبر!) تجھے ان لوگوں کے لئے (جو آج تجھے جھٹلا رہے ہیں) گواہ بنائیں گے (یہی بات ہے کہ) ہم نے تجھ پر ''الکتاب'' نازل کی (دین کی) تمام باتیں بیان کرنے کے لئے اور اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے رہنمائی ہو اور رحمت اور خوشخبری''۔ (ترجمان القرآن' ج ۴' ص ۲۱۶۔۲۱۵)

القرطبی نے مشہور مفسر جناب مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ارشاد فرمایا:

تبيانا للحلال والحرام (ج ١٠' ص ١٦٤)

اور یہ بات بہت ہی واضح اور دل لگتی ہے کہ اصولی حوالہ سے قرآن میں سب کچھ ہے۔ چنانچہ عصر حاضر کے ایک فاضل فرماتے ہیں:

ان القران الكريم يحتوى على اصول الدين وقواعد الاحكام الاساسية (السنة فی ضوء القرآن' ص ١٩٩)

اور جناب دکتور صالح احمد رضا نے انہی دو آیات کو نقل کر کے اور منکرین سنّت کا استدلال ذکر کر کے اور طرح سے جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

فيجاب عن ذلک بما سبق بيا نه بانّ القرآن الكريم الذى بيّن كل

شی ء اوضح ان السنة حجة یجب اتباعها فی کثیر من الآیات

(خطیرة ظاهرة فی رخص السّنة النبویة فی المجتمع الاسلامی' ص ۲۷' دمشق ۱۹۸۱ء)

فاضل دکتور نے واضح کر دیا کہ جس قرآن کو آپ ﴿تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ﴾ مانتے ہیں' وہ ایک جگہ نہیں' بار بار اتباعِ رسولؐ کا حکم دیتا ہے' تو پھر آپ کا انکار چہ معنی دارد؟ اس طرح تو آپ قرآن کریم ہی کا انکار کر رہے ہیں۔ اس کو کہتے ہیں اپنے دام میں صیاد کا آ پھنسنا ـــــ اور مولانا احمد علی لاہوری کے بقول یہ ایسے ہی لوگوں کا حال ہوتا ہے جو عقل کے پیچھے لٹھ لے کر پڑ جاتے ہیں۔ قرآن ہی تو سب سے بڑھ کر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ میں جس پر نازل ہوا اس کی زندگی اور حیات مبارکہ کو سامنے رکھو' اسی لئے مولانا محمد حنیف ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے وہ نقوشِ قدم جن کی پیروی اور اطاعت کا قرآن نے حکم دیا ہے اور آنحضرت کے وہ ارشادات و اعمال جن کے نتیجہ میں دنیائے انسانیت میں ایک مثالی معاشرہ قائم ہوا' فن کی اصطلاح میں سنّت کہلاتا ہے''۔ (مطالعۂ حدیث' ص ۱۵' مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء)

بہر طور سنّت پیغمبر اسلام و نبی معصوم ﷺ کے نقوش ہائے زندگی کا نام ہے ـــــ اور ساتھ ہی نبی محترم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے تربیت یافتہ' نجومِ ہدایت صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے ارشادات و افعال بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔ حضرت الامام ابوداؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ ''باب لُزوم السنّة'' میں حدیث نقل فرماتے ہیں:

((عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ.....))

یہ ارشاد تو محض خلفاء راشدین کے نقوش ہائے قدم کی پیروی و اتباع کے لئے ہے۔ لیکن امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب الایمان میں ایک موقع پر فرمانِ رسالت نقل کیا ہے' جس کا مفہوم یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی کسی اُمت میں بھیجا اس کی اُمت میں اس کے کچھ مقرب ساتھی اور صحبت یافتہ افراد ایسے ہوئے جو اُس کے طریقِ کار پر کاربند رہے اور اس کے حکم کی پیروی کرتے رہے' پھر ان کے بعد ایسے اخلاف آتے

رہے جو زبان سے وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں اور کرتے وہ ہیں جن کا ان کو حکم نہیں دیا جاتا''۔

یہ حدیثِ مبارکہ بھی صحابۂ کرام ﷺ کے ارشادات کی پیروی کا ہی مُنہ بولتا ثبوت ہے اور ان حضرات کی دلیل ہے جو ''سُنَّةُ الرَّسُوْلِ'' کے ساتھ ساتھ ''سُنَّةُ الصَّحَابَة'' کی پیروی کے قائل ہیں اور ہدایت یافتہ گروہ کے لئے ارشاد ''مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِیْ'' بھی اسی کی دلیل ہے۔

دکتور صالح احمد رضا نے منکرین سنّت کو ایک اصولی جواب دیا کہ جس قرآن کو تم ہر چیز کے لئے مُبیّن و بیان قرار دیتے ہو وہی قرآن سب سے بڑھ کر سنّت کی حجیت اور اس کے اتباع کا حکم دیتا ہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یار لوگ قرآن کی آڑ میں کس طرح سنّتِ رسول کا خون کرتے اور اس کی حجیت کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ تاریخ کے ہر دَور میں اِکّا دکّا موجود تھے' لیکن مسلمان قوم کے سیاسی زوال کے دَور میں شیطان کی ذریّت نے ﴿لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ﴾ (الاعراف:۱۷) کے شیطانی دعویٰ کو جس طرح عملاً پروان چڑھایا وہ ایک بڑی ہی اندوہناک داستان ہے۔

غریب مولوی جو غرباء کے چندہ سے مسجد کی چٹائی پر بیٹھ کر دینِ اسلام کے ورثہ کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل تھا' اس کے زور کو توڑنا بدیسی حکمرانوں کا سب سے بڑا مقصد تھا' کیونکہ یہی مولوی آزادی و حریت کی تحریکوں کا علمبردار تھا' یہی مولوی قدیم علمی و دینی ورثہ کا محافظ تھا' اس کے برعکس انگریز بہادر کو آزادی کی تحریکوں سے چڑ تھی کہ ان کی کامیابی انگریز کے اقتدار کے خاتمہ کا اعلان تھا۔ اسے جہاد سے چڑ تھی' اس لئے اس نے جھوٹی نبوت کے مدعیوں سے جہاد کی منسوخی کا اعلان کرایا' اسے سنّتِ رسول سے عِناد تھا کہ یہی چیز ملت کی وحدت کی بنیاد تھی۔ اس بنیاد کو ڈھانے کے لئے اس نے بِدعات کو رواج دیا اور ایسے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی۔ جہاد کی نت نئی تعبیرات' تعلیم کا نیا سسٹم' جس کا مقصد کلرک پیدا کرنا تھا' اس نے رواج دیا اور دینِ

اسلام کے پورے سسٹم کے محافظ مولوی کو نیچا دکھانے کی تدبیر کی۔ بدیسی حکمرانوں نے منکرین ختمِ نبوت و جہاد کی طرح منکرینِ سنت کی بھی سرپرستی کی اور مرکزی حکومت کے سیکرٹیریٹ کے ایک اعلیٰ عہدیدار کو خاص اس مشن پر لگایا جس نے مُلّا کو گالی دینے کی آڑ میں ''قرآن کے کافی ہونے'' کا نعرہ لگا کر سنت کی بیخ کنی کی بھرپور کوشش کی۔ وہی شخص پھر ہماری آزادی کے بعد ہمارے مقتدر طبقہ کا دینی و مذہبی مشیر رہا' اس کی آراء و مشورہ سے یہاں دین دشمنی کے بھرپور مظاہرے ہوئے اور اس طرح یہ طبقہ ملک میں منظم ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ جب ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ (البقرۃ: ۷) کی پوزیشن ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کی جا سکتی ہے کہ وہ سمع و بصیر اب ایسے لوگوں کے قلب و نظر کے پردے اٹھا دے' ورنہ قرآن میں اس حوالہ سے بہت کچھ ہے' لیکن ستم یہ ہے کہ قرآن کے نام پر اس کا انکار ہے —— اللہ ربُّ العزت نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے لئے واضح طور پر ارشاد فرما دیا کہ:

''ان کا بولنا بھی اپنا نہیں' وہ وحی ہی ہے جو پیغمبر اسلام کو بلواتی ہے''۔ (النجم: ۳'۴)

گویا ؎ گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

والی کیفیت ہے۔

اور ''سورۃ القیامہ'' کی آیات پر غور کریں۔ جب وحی آنے پر امام خاتم و معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلدی جلدی تلاوت فرماتے کہ مبادا کوئی حرف رہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝﴾ (القیمۃ: ۱۶-۱۹)

''آپ (وحی کے ختم ہونے سے پہلے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اسے جلدی جلدی لیں۔ بے شک اس کا جمع کرنا اور پڑھا دینا ہمارے ذمہ ہے۔ پھر جب ہم اس کی قراءت کر چکیں تو اس کی قراءت کا اتباع کیجئے۔ پھر بے شک اس کا کھول کر بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے''۔

اس میں آخری آیت ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝﴾ کیا ہے! اس کی وضاحت' تفصیلات

سب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور قلب محمد ﷺ میں تفصیلات من جانب اللہ آتی ہیں' پھر آپ انہیں مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ اس پر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تو اس بدنصیب کے لئے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا ہی کی جاسکتی ہے۔

آگے چلیں ـــ سورۃ النحل کی دو آیات ۴۳' ۴۴ ملاحظہ کیجئے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَیْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ ۞﴾

''ہم نے آپ سے پہلے بھی انسان ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ پس اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ لو۔ ہم نے انہیں (رسولوں کو) معجزات اور کتابیں دے کر بھیجا تھا اور ہم نے آپؐ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے واضح کر دیں جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے اور تاکہ وہ سوچ لیں''۔

قرآن جو نازل ہوا اور جس کی تبیین کی ذمہ داری محمد کریم ﷺ پر ڈالی جا رہی ہے۔ وہ کیا ہے؟ محض تلاوت اور آیاتِ الٰہی سے اُمّت کو واقف کرانا ہے؟ بالکل نہیں' اس ٹکڑے کا یہ مفہوم قطعاً نہیں' اس مفہوم کے لئے ''یَتْلُوْ'' کا لفظ موجود ہے جو کئی جگہ آیا ہے۔ یہاں ﴿لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ﴾ کے الفاظ ہیں اور عربی زبان سے برائے نام مناسبت رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ ''تلاوت'' اور ''تبیین'' میں یقیناً فرق ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی جو تلاوت و تزکیہ اور تعلیم کتاب و حکمت کی ذمہ دار ہے وہی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس قرآن میں ''تبیین'' کی بھی ذمہ دار قرار دی جا رہی ہے۔ نہ ماننے کا علاج نہیں۔ النساء کی آیت ۵۹ میں نزاع و تنازع کے وقت مسلمانوں کو حکم ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ.....﴾

اور یہ ان کو حکم ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ اس کا مفہوم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاؤ؟ صحیح ہے' قرآن مجید موجود ہے' وہ

رہنمائی فرمائے گا' تاہم ''اِلَی الرَّسُوْلِ'' کا مفہوم کیا ہوگا؟

پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات گرامی جب دنیا میں تھی' براہِ راست لوگ سوال کرتے' مسائل کا حل چاہتے' استفادہ کرتے' تو ظاہر ہے کہ اُس وقت پیغمبرِ انسانیت قرآن کے علاوہ بھی بہت کچھ بتلاتے۔ وہی سنّت ہے اور اب ''اِلَی الرَّسُوْلِ'' کا مفہوم اسی سنّت کی طرف رجوع ہے۔ ایک خادم دین کے بقول:

''اختلاف رائے کی شکل میں مسلک کتاب وسنّت جس کی تائید کرے بس اس کو مان لو''۔ (مولانا احمد علی' ص ۱۳۷)

قرآن عزیز سورۃ النور میں دو کردار پیش کرتا ہے:

ا) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف فیصلہ کے لئے بلانے پر اعراض کرنے والا گروہ۔ (آیت ۴۸)

ب) فیصلہ کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلانے پر سمع وطاعت کے جذبہ سے آنے والا گروہ۔ (آیت ۵۱)

ان دونوں کرداروں سے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو فیصلہ دیا ''القرآن کاف لنا'' کے مدعی اسی کو دیکھ لیں اور پھر فیصلہ کریں کہ وہ کس مقام پر کھڑے ہیں؟ آیت ۴۷ میں فرمایا گیا:

''اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کا رویہ اختیار کیا' پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ نے روگردانی کی۔ اور یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں''۔

انہی کو اعراض کرنے والا گروہ بتلایا اور ان کے قلب کے روگ اور بیماری کی نشاندہی کی ـــــ (آیت ۵۰) اور سمع وطاعت کے جذبہ سے لپک کر آنے والوں کو اَلْمُفْلِحُوْنَ اور اَلْفَائِزُوْنَ ارشاد فرمایا۔ تو کیا یہ تفصیلات بھی تیرہ چشموں کے لئے کافی نہیں؟

اس کائنات کا خالق اس پر بس نہیں کرتا' وہ اپنی ربوبیت کی قسم کھاتا ہے' لیکن محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اضافت سے ـــــ فَلَا وَرَبِّکَ ـــــ اور پھر کہتا ہے کہ نام

نہاد مدعیانِ نبوت محض جھوٹے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان جب معتبر ہوگا کہ اپنے نزاعات اور جھگڑوں میں آپؐ کو منصف مان کر پوری خوشی اور رضا و رغبت سے آپؐ کے فیصلوں کو مان لیں (النساء:۶۵) ـــــ تو سوال یہ ہے کہ وہ فیصلے کہاں ہیں؟ قرآن کتابِ الٰہی ہے ـــــ اس کی بتمام و کمال تبلیغ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ نے کی ـــــ ایسا نہیں ہوا کہ کسی خاص عزیز کو مکمل قرآن دے کر چھپانے کی تاکید کر دی اور کٹا پھٹا قرآن لوگوں کو تھما دیا اور مکمل قرآن سے دنیا اب تک محروم ہے۔ لیکن زندگی کے مسائل سے متعلق جملہ فیصلے کیا بتمام و کمال قرآن میں موجود ہیں؟ اصولی ہدایات بلاشبہ ہیں، لیکن تفصیلات کہاں ہیں؟ وہ تفصیلات ہی ہیں جنہیں سنّت و حدیث کا نام دیا جاتا ہے اور ان سے رہنمائی کے بغیر کچھ نہیں بن پاتا۔ جو اس کے مدعی ہیں وہ عملی زندگی کا مکمل نقشہ اپنے دعویٰ کے مطابق پیش کر کے دکھائیں، جیسا کہ فرمایا گیا: ﴿قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾ اسی پر بس نہیں، اللہ تعالیٰ تو ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ اسی قرآن میں فرما رہے ہیں جو گویا اعلان ہے کہ منشائے ربانی کے معلوم کرنے کا ذریعہ رسالت مآب ﷺ ہی کی ذات ہے، ورنہ تو اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے والی بات ہے۔ قرآنِ عزیز کے وہ ارشادات جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ ''ایمان بالرّسول'' اور اتباع و اطاعت رسول کا حکم ہے ان کا احاطہ ممکن نہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ کیجئے:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ﴾ (آل عمران:۱۷۹)

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ.....﴾ (النساء:۱۳۶)

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ﴾ (النساء:۱۷۰)

اسی سے متصل:

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۫﴾ (النساء:۱۷۱)

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ .....﴾ (الاعراف ۱۵۸)

سورۂ آلِ عمران کی آیت ۳۲ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے حکم کے بعد ارشاد ہے:

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

حافظ ابنِ کثیر کے بقول:

فدلّ علی انّ مخالفة فی الطریقة کفرٌ (ج ۱' ص ۳۵۸)

سورۃ النساء کی آیت ۵۹ کے ضمن میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

کان فتاویه صلی الله علیه وسلم جوامع الاحکام' ومشتملة علی فعل الخطاب وهی فی وجوب اتباعها وتحکیمها والتحاکم الیها ثانیة الکتاب' ولیس لاحد من المسلمین العدول عنها ما وجد الیها سبیلا' وقد امر الله عباده بالرد الیها حیث یقول :﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ.....﴾ (اعلام الموقعین' ج ۱' ص ۱۲)

اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی مفصل روشنی ڈالی کہ ''اطاعت رسول مستقلاً واجب ولازم ہے''۔

امر تعالی بطاعته وطاعة رسوله واعاد الفعل اعلاما بان طاعة الرسول تجب استقلالا من غیر عرض ما امر به علی الکتاب بل اذا امر وجبت طاعته مطلقا سواء کان ما امر به فی الکتاب اولم یکن فیه..... الخ (اعلام: ۱-۴۸)

اللہ تعالیٰ کے رسول کے بول وحیٔ الٰہی ہوتے ہیں ـــــ النجم آیت ۳' ۴ کے حوالہ سے گزرا ـــــ ساتھ ہی الحاقۃ کی آیات ۴۴ تا ۴۶ دیکھیں:

﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۞ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۞ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ﴾

''اور اگر وہ کوئی بناوٹی بات ہمارے ذمہ لگاتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے' پھر ہم اس کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے''۔

اللہ تعالیٰ جو احکم الحاکمین اور شہنشاہ حقیقی ہیں ان کا شاہی ارشاد لب ولہجہ سے عیاں ہے۔ جو لوگ رسول اکرم ﷺ کو شاعر و کاہن کہہ کر قرآن کو آپ کے کھاتہ میں

ڈالتے' نہ صرف ان پر شدید ردّ ہے' بلکہ وہ اَن گنت حقائق و معارف جو قرآن میں نہیں' لیکن پیغمبرِ اسلام و معصوم نے من جانب اللہ ارشاد فرمائے ان کی حقانیت کا بھی ثبوت' کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف غلط نسبت ہوتی تو انجام معلوم!

سورۃ النور کی آیت ۵۶ میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا امر کے صیغہ سے ذکر کیا ہے: اقامتِ صلوٰۃ' ایتاء زکوٰۃ' اطاعتِ رسولؐ اور ان کا نتیجہ رحم بتلایا' بایں الفاظ: ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

محدث عصر مولانا محمد یوسف بنوری کے بقول یہاں یہی نکتہ ہے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کی طرح اطاعتِ رسول بھی فرض ہے۔ الغرض اسی حوالہ سے صرف قرآنی آیات کا احاطہ بھی ممکن نہیں اور ان کا ترجمہ' مفہوم' تفصیلات' پھر اس ضمن میں وارد ہونے والی احادیث اور ان کی تشریحات کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ سمع و طاعت کے جذبہ سے سرشار خوش قسمتوں کے لئے ایک نکتہ بھی کافی ہے' لیکن کور باطنوں کے لئے سارا دفتر محض بے کار اس لئے اس دعا پر اکتفا کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں:

اللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا متابعة نبيك وحبيبك ونجيك وصفيك۔ وتوفنا عليها والحقنا بالصالحين الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ اللّٰھُمَّ آمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ آمِيْنًا

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

اشاعت خاص: 20 روپے اشاعت عام: 10 روپے

اللہ کے تین اٹل فیصلے

مدرس : پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

عَنْ اَبِیْ کَبْشَۃَ الْاَنْمَارِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ : ((ثَلَاثٌ اُقْسِمُ عَلَیْھِنَّ وَاُحَدِّثُکُمْ حَدِیْثًا فَاحْفَظُوْہُ : فَاَمَّا الَّذِیْ اُقْسِمُ عَلَیْھِنَّ فَاِنَّہٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِنْ صَدَقَۃٍ ، وَلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلِمَۃً صَبَرَ عَلَیْھَا اِلَّا زَادَہُ اللّٰہُ بِھَا عِزًّا ، وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَۃٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْھَا بَابَ فَقْرٍ ، وَاَمَّا الَّذِیْ اُحَدِّثُکُمْ فَاحْفَظُوْہُ ، فَقَالَ : اِنَّمَا الدُّنْیَا لِاَرْبَعَۃِ نَفَرٍ : عَبْدٍ رَزَقَہُ اللّٰہُ مَالًا وَعِلْمًا فَھُوَ یَتَّقِیْ فِیْہِ رَبَّہٗ وَیَصِلُ رَحِمَہٗ وَیَعْمَلُ لِلّٰہِ فِیْہِ بِحَقِّہٖ ، فَھٰذَا بِاَفْضَلِ الْمَنَازِلِ ، وَعَبْدٍ رَزَقَہُ اللّٰہُ عِلْمًا وَلَمْ یَرْزُقْہُ مَالًا فَھُوَ صَادِقُ النِّیَّۃِ ، یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ ، فَاَجْرُھُمَا سَوَاءٌ ، وَعَبْدٍ رَزَقَہُ اللّٰہُ مَالًا وَلَمْ یَرْزُقْہُ عِلْمًا فَھُوَ یَتَخَبَّطُ فِیْ مَالِہٖ بِغَیْرِ عِلْمٍ لَا یَتَّقِیْ فِیْہِ رَبَّہٗ وَلَا یَصِلُ فِیْہِ رَحِمَہٗ وَلَا یَعْمَلُ فِیْہِ بِحَقٍّ ، فَھٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ ، وَعَبْدٍ لَمْ یَرْزُقْہُ اللّٰہُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَھُوَ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِیْہِ بِعَمَلِ فُلَانٍ ، فَھُوَ نِیَّتُہٗ وَوِزْرُھُمَا سَوَاءٌ)) [رواہ الترمذی]

حضرت ابوکبشہ انماری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تین باتیں ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں' اور ان کے علاوہ ایک اور بات ہے جس کو میں تم سے بیان کرنا چاہتا ہوں' پس تم اس کو یاد کرلو! جن تین باتوں پر میں قسم کھاتا ہوں وہ یہ ہیں: (۱) کسی بندہ کا مال صدقہ کی وجہ سے کم نہیں ہوتا' اور (۲) نہیں ظلم کیا جائے گا کسی بندہ پر ایسا ظلم جس پر وہ مظلوم بندہ صبر کرے' مگر اللہ تعالیٰ اس کے عوض بڑھا دے گا اس کی عزت' اور (۳) نہیں کھولے گا کوئی بندہ سوال

کا دروازہ' مگر اللہ کھول دے گا اس پر فقر کا دروازہ۔ اور جو بات میں ان کے علاوہ تم سے بیان کرنا چاہتا تھا' جس کو تمہیں یاد کر لینا اور یاد رکھنا چاہئے' وہ یہ ہے کہ دنیا چار قسم کے آدمیوں کے لئے ہے [یعنی دنیا میں چار قسم کے آدمی ہیں] (۱) وہ بندے جن کو اللہ نے مال دیا ہے' اور (صحیح طریق زندگی) کا علم بھی ان کو دیا ہے' پس وہ اس مال کے صرف و استعمال میں اللہ سے ڈرتے ہیں' اور اس کے ذریعے صلہ رحمی کرتے ہیں' اور اس میں جو عمل اور تصرف کرنا چاہئے اللہ کی رضا کے لئے وہی کرتے ہیں۔ پس ایسے بندے سب سے افضل و اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔ اور (۲) وہ بندے ہیں جن کو اللہ نے صحیح علم تو عطا فرمایا ہے' لیکن ان کو مال نہیں دیا' پس ان کی نیت صحیح اور سچی ہے' اور وہ اپنے دل و زبان سے کہتے ہیں کہ ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں کی طرح اس کو کام میں لائیں' پس ان دونوں کا اجر برابر ہے۔ اور (۳) وہ لوگ ہیں' جن کو اللہ نے مال دیا' اور اس کے صرف و استعمال کا صحیح علم نہیں دیا' پس وہ نادانی کے ساتھ اور خدا سے بے خوف ہو کر اس مال کو اندھا دھند غلط راہوں پر خرچ کرتے ہیں' اس کے ذریعے صلہ رحمی نہیں کرتے' اور جس طرح اس کو صرف و استعمال کرنا چاہئے اس طرح نہیں کرتے' پس یہ لوگ سب سے بُرے مقام پر ہیں۔ اور (۴) وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے مال بھی نہیں دیا اور صحیح علم بھی نہیں دیا' پس ان کا حال یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمیں مال مل جائے تو ہم بھی فلاں شخص کی طرح اور اسی کے طریقے پر صرف کریں۔ پس یہی ان کی نیت ہے اور ان دونوں گروہوں کا گناہ برابر ہے"۔

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی قسم کھا کر تین باتیں بتائی ہیں۔ آپؐ کی ذات تو وہ ہے کہ اعلانِ نبوت سے قبل بھی لوگ آپؐ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ آپؐ کی پوری زندگی صدق و صفا کی مظہر تھی۔ تو یہاں آپ ﷺ نے اپنی بات کو مؤکد کرنے کے لئے قسم کیوں کھائی ہے۔ اس کی وجہ بظاہر یہ نظر آتی ہے کہ یہ تینوں باتیں مشاہدہ کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ اب عام آدمی تو مشاہدہ کے خلاف دکھائی دینے والی بات پر یقین کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ لہٰذا آپؐ نے قسم کے ساتھ ان باتوں کی سچائی واضح کر دی تاکہ جس شخص کو آپ ﷺ کے صدق پر یقین ہو وہ ان باتوں کو سچ جانے اور اس کے مطابق عمل کر کے آپؐ کے بتلائے ہوئے نتائج پر مطمئن ہو سکے۔ اگرچہ ذرا گہرا مشاہدہ بھی حضور اکرم ﷺ کی بات کی تصدیق ہی کرے گا۔

دیکھئے پہلی بات جس پر آپؐ نے قسم کھائی ہے یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے

مال میں کمی نہیں آتی۔ بظاہر تو خرچ کرنے سے مال کم ہوتا ہے' جس کے پاس ایک ہزار روپیہ ہو وہ اس میں سے ایک سو اللہ کی راہ میں دے دے تو اس کے پاس ۹۰۰ روپے باقی رہ جائیں گے۔ تو دینے سے مال میں کمی تو سمجھ میں آ رہی ہے' مگر حدیث میں اس کی نفی کی جا رہی ہے۔ تھوڑا سا غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں ان کا مال نہ تو کم ہوتا ہے اور نہ ختم ہوتا ہے' بلکہ سخی کبھی مفلس نہیں ہوتا۔ لگاتار خرچ کرنے کے باوجود وہ سخی ہی رہتا ہے۔ تو یوں حضور ﷺ دراصل اللہ تعالیٰ کی عادت بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ مفلسی سے دور رکھتا ہے۔ اللہ پاک ان کی روزی میں برکت دیتا ہے اور ان کو خزانہ غیب سے یوں عطا کرتا ہے کہ خرچ کرنے والے کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال دیکھنا ہو تو کسی بھی فیاض آدمی کے حالات کا جائزہ لے کر دیکھ لیجئے۔ اللہ کے سچے کلام میں یہ آیت موجود ہے:

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق:۳)

''اور وہ اس کو روزی دیتا ہے جہاں سے اسے خیال بھی نہ ہو''۔

دوسری بات جس پر آپ ﷺ نے قسم کھائی ہے یہ ہے کہ جس شخص پر دنیا میں ظلم روا رکھا جائے اور وہ اس زیادتی پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتے ہیں۔ یہاں بھی سرسری طور پر دیکھا جائے تو بات خلافِ واقعہ معلوم ہوتی ہے' کیونکہ ظلم کی چکی میں تو کمزور اور بے سہارا لوگ ہی پستے ہیں ان کو مزید تنگ کر کے کمزور سے کمزور تر کیا جاتا ہے۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایسے لوگ اگر صبر کریں تو اللہ ان کی عزت کو بڑھاتا ہے۔ دیکھئے مظلوم جو ظلم پر صبر کرتا ہے اس کی نگاہ ذاتِ باری تعالیٰ پر ہوتی ہے۔ وہ بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا اور التجا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا رد نہیں کرتا۔ اس طرح صابر مظلوم کو خالق کائنات کا تقرب نصیب ہو جاتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے حق کی خاطر ظلم و جبر برداشت کیا دنیا میں بھی واقعی ان کو عزت ملی' جبکہ بااثر خوشحال اور بااختیار ظالم کے حصے میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں آیا۔ بلال رضی اللہ عنہ پر امیہ ظلم کرتا تھا' بلال کو حینِ حیات وہ عزت ملی کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ انہیں سیدنا کہہ کر پکارتے تھے۔

تیسری بات جس پر آپ ﷺ نے قسم کھائی ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص سوال کرنے اور مانگنے کی عادت اپنا لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر فقر' مفلسی اور ناداری طاری کر دیتا ہے۔ یہاں بھی

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جو سوال کرتا ہے' ہاتھ پھیلا کر لوگوں سے مانگتا ہے اور لوگ اس کو دیتے ہیں اس کے پاس تو دولت جمع ہو جانی چاہئے مگر ایسا ہوتا نہیں' بلکہ ایسا شخص ہمیشہ سائل ہی رہتا ہے' اس کی ضروریات اور حاجات کبھی پوری نہیں ہوتیں بلکہ وہ در در کی خاک چھانتا اور ہر کہ و مہ کے آگے ہاتھ پھیلاتا رہتا ہے۔ یوں وہ محتاج ہی رہتا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی اور کہا کہ اس کو ذہن میں محفوظ رکھ لیا جائے یہ ہے کہ دنیا میں مال اور عقل و فہم کے اعتبار سے لوگ چار قسم کے ہیں: اوّل وہ جن کو مال ملا ہے اور ساتھ صحیح طرزِ زندگی کا شعور بھی عطا ہوا ہے۔ ایسے لوگ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور مفلس اور نادار عزیز و اقارب کی خبر گیری بھی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ تو سب سے اعلیٰ و افضل مرتبہ پر فائز ہیں۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جن کو مال تو نہیں ملا مگر صحیح علم و شعور سے انہوں نے وافر حصہ پایا ہے۔ ایسے لوگ مال کی تمنا کرتے ہیں اور صحیح ارادے اور نیت کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں بھی مال مل جائے تو ہم فلاں نیک بندے کی طرح اللہ کی رضا کے لئے خرچ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں کا اجر مساوی ہے' یعنی اس بعد والے کو حسنِ نیت کی بدولت وہی اجر ملے گا جو نیک دل مالدار کو مال خرچ کرنے پر ملے گا۔

تیسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جن کو اللہ نے مال تو دیا لیکن خرچ کرنے کا سلیقہ نہیں دیا۔ ایسے لوگ نادانی کے ساتھ اللہ کی دی ہوئی دولت کو نام و نمود' نمائش اور فضول رسومات بلکہ خدا کی ناراضگی والے کاموں میں اندھا دھند خرچ کرتے ہیں' نہ تو صلہ رحمی کرتے ہیں اور نہ ہی مال کو دوسرے صحیح مصارف پر خرچ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ سب سے برے مقام پر ہیں۔

چوتھی قسم ایسے لوگوں کی ہے جن کو اللہ نے نہ تو مال دیا ہے نہ ہی شعورِ زندگی۔ ایسے لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ مال کی تمنا اس نیت اور ارادے کے ساتھ کرتے ہیں کہ اگر انہیں مال مل جائے تو فلاں شخص کی طرح عیش و عشرت کے سامان فراہم کریں گے اور فضول رسموں اور نمود و نمائش میں دوسروں سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسے لوگ اپنی بدنیتی کی وجہ سے ان لوگوں کے برابر ہیں جو مقام کے اعتبار سے بدترین لوگ ہیں۔

ooo

زکوٰۃ کا مصرف ''فی سبیل اللہ''

تحریر: انجینئر نوید احمد

ادارۂ حکمتِ قرآن ''زکوٰۃ کا مصرف فی سبیل اللہ'' کے موضوع پر مختلف اہلِ علم کے مقالہ جات شائع کر کے دورِ حاضر کی دینی ضروریات کے اعتبار سے ایک اہم خدمت انجام دے رہا ہے ——— اس موضوع پر راقم نے صاحبانِ علم کی تحریروں سے جو استفادہ کیا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل سطور میں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

سورۃ التوبہ آیت ۶۰ میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے آٹھ مصارف بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے ایک مصرف ہے ''فی سبیل اللہ''۔ اس مصرف کے حوالے سے اہلِ علم کی تین آراء ہیں، یعنی اس سے مراد ہے:

۱) قتال فی سبیل اللہ۔

۲) ہر وہ کوشش جس کا مقصد غلبۂ دین ہو۔

۳) انسانی فلاح و بہبود کا ہر کام۔

برعظیم پاک و ہند کے اکثر علمائے کرام پہلی رائے ہی کو صائب سمجھتے ہیں اور فی سبیل اللہ کے مصرف کے لئے دیگر دو آراء کے مطابق زکوٰۃ کی ادائیگی کو درست قرار نہیں دیتے۔ البتہ اپنے اس موقف کے لئے وہ قرآنِ حکیم، احادیثِ مبارکہ اور تعاملِ صحابہ کرام ﷺ سے ٹھوس دلائل فراہم نہیں کرتے۔ آیئے اس حوالہ سے ہم قرآنِ حکیم، حدیثِ نبوی ﷺ، آثارِ صحابہ ﷺ اور سلف صالحین کی آراء سے ملنے والی رہنمائی کا جائزہ لیتے ہیں۔

قرآنِ حکیم سے رہنمائی:

قرآنِ حکیم میں فی سبیل اللہ کی اصطلاح مندرجہ بالا تینوں آراء کے لئے استعمال ہوئی ہے۔ کوئی ایسا قرینہ نہیں جس سے سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں اس اصطلاح کو کسی ایک رائے

کے لئے مخصوص کرلیا جائے۔ پہلی رائے یعنی قتال کے لئے فی سبیل اللہ کی اصطلاح سورۃ البقرۃ آیت ۱۹۵ میں آئی ہے:

﴿وَاَنْفِقُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾

''اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو''۔

دوسری رائے کے ضمن میں علمِ دین کے سیکھنے اور سکھانے کے لئے یہ اصطلاح بیان ہوئی ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت ۲۷۳ میں ارشاد ہوا:

﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ﴾

''اُن فقراء کے لئے (خرچ کیا جائے) جو اللہ کی راہ میں بند ھ گئے ہیں اور زمین میں (اپنی گزراوقات کے لئے) ہاتھ پاؤں نہیں مار سکتے''۔

سورۃ البقرۃ آیت ۲۶۱ میں فی سبیل اللہ کی اصطلاح تیسری رائے یعنی عام مصارفِ خیر کے لئے بیان ہوئی ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ﴾

''اُن لوگوں (کے خرچ) کی مثال جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانے کی سی ہے جو اُگائے سات بالیاں، ہر بالی میں ہوں سو دانے''۔

احادیثِ مبارکہ سے رہنمائی:

احادیثِ مبارکہ میں سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں بیان کردہ زکوٰۃ کے مصرف فی سبیل اللہ کی وضاحت کے بارے میں کوئی روایت بیان نہیں کی جاتی۔ اس حوالے سے صرف ایک حدیث پیش کی جاتی ہے کہ:

عطاء بن یسارؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صدقہ درست نہیں ہے غنی کے لئے، لیکن پانچ اشخاص کے لئے (اگرچہ وہ غنی ہوں) ایک تو غازی اللہ کے راستہ میں، دوسرے عاملِ زکوٰۃ، تیسرے قرض دار، چوتھے وہ غنی جو زکوٰۃ کو اپنے مال کے بدلہ خرید لے اور پانچواں وہ جس کا ہمسایہ ایک مسکین ہو اور وہ صدقہ میں ملنے والی کوئی چیز اِسے تحفہ کے طور پر بھیج دے''۔ (موطا امام مالک، ابوداؤد)

یہ حدیث سورۃ التوبۃ کی آیت ۶۰ میں فی سبیل اللہ کی تشریح کے طور پر نہیں ہے۔ نبی

اکرم ﷺ سے ایک سوال پوچھا گیا اور آپ ﷺ نے اس کے جواب میں اُس غازی کا بھی ذکر فرمایا جو قتال فی سبیل اللہ میں شرکت کر رہا ہو۔ لہٰذا اس حدیث کو فی سبیل اللہ کی وضاحت کے طور پر پیش کرنا درست نہیں۔ اس حدیث سے غازی پر غنی ہونے کی صورت میں بھی جنگی مقاصد کے لئے زکوٰۃ خرچ کرنے کا جواز تو ثابت ہوتا ہے لیکن یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ فی سبیل اللہ سے مراد صرف غازی پر خرچ کرنا ہے۔ البتہ احناف سرے سے اس حدیث کی صحت کے ہی قائل نہیں۔ ان کے نزدیک ''عَامِلِيْنَ عَلَيْهَا'' کے علاوہ تمام مصارفِ زکوٰۃ میں ادائیگی کے لئے فقر شرط لازم ہے اور غنی کو کسی صورت میں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ مذکورہ حدیث کے بارے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ تفسیرِ مظہری جلد دوم' صفحہ ۲۱۸ پر تحریر فرماتے ہیں کہ:

''میں کہتا ہوں اس حدیث کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے۔ زید بن اسلم کے قول میں اختلاف ہے۔ ایک قول میں آیا ہے کہ زید بن اسلم نے عطاء کی روایت سے بیان کیا' اور عطاء نے مرسلاً (بغیر ذکر صحابیؓ کے) بیان کیا' جیسا کہ امام مالکؒ نے موطأ میں لکھا ہے اور موطأ سے ابوداؤد نے نقل کیا ہے۔ دوسرے قول میں آیا ہے کہ زید نے بروایت لیث بیان کیا ہے۔ تیسرے قول میں ہے کہ زید نے بروایت عطاء اور عطاء نے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے بیان کیا۔ یہ تمام روایات ابوداؤد میں مذکور ہیں۔

متن حدیث میں اضطراب کا ثبوت یہ ہے کہ عطاء کی مرسلاً روایت سے جو حدیث بیان کی گئی ہے وہ تو اوپر ذکر کر دی گئی ہے لیکن ابوداؤد نے عمران بارقی کی وساطت سے عطاء کی روایت از ابوسعید خدریؓ ان الفاظ میں بیان کی: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زکوٰۃ کسی غنی کے لئے حلال نہیں سوائے مجاہد فی سبیل اللہ کے یا مسافر کے یا اس غریب ہمسایہ کے ہدیہ کے جس کو زکوٰۃ کا مال ملا ہو اور وہ بطور ہدیہ تم کو دے دے یا تمہاری دعوت کر دے''۔ ابن ہمام نے لکھا ہے بعض علماء کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں اور ثابت بھی ہے تو حضرت معاذؓ والی حدیث کے برابر قوی نہیں اور اگر اس کی برابر قوی بھی مان لی جائے تب بھی حدیث معاذؓ قابلِ ترجیح ہے کیوں کہ وہ ممانعت کی حدیث ہے' اور یہ اباحت کی۔ (یعنی معاذؓ کی حدیث میں غنی کو زکوٰۃ کا مال دینے کی ممانعت ہے اور اس حدیث میں غنی کے بعض اقسام کو زکوٰۃ کا مال لینے کی اجازت ہے) اور حکم ممانعت حکم اباحت پر ترجیح رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ

اباحت کا حکم بھی تاویل کا محتاج ہے۔ مجاہد کو زکوٰۃ کا مال لینا اُس وقت جائز کیا گیا ہے جب اس کا کچھ حصہ سرکاری رجسٹر یا مال گودام میں نہ ہو اور نہ اس نے فئے میں سے کچھ لیا ہو' حالانکہ حدیث میں عموم ہے (مجاہد کے لئے جوازِ زکوٰۃ کی یہ شرط نہیں ہے) اور ظاہر ہے کہ جو حدیث محتاجِ تاویل ہو (اور شروطِ قیاسیہ کے ساتھ مشروط ہو) وہ اس حدیث کے مقابلہ میں ضعیف ہوتی ہے جو محتاجِ تاویل نہ ہو۔''

نبی اکرم ﷺ کے ایک اور ارشاد کی بنیاد پر یہ دلیل دی گئی ہے کہ کہ زکوٰۃ کے مصارف اللہ نے خود مقرر فرما دیئے ہیں اور ان میں خود رسول اللہ ﷺ کو بھی تبدیلی کا اختیار نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد حسب ذیل ہے:

''ایک بار ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے شخص اللہ نے زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو بلکہ پیغمبر تک کو کوئی اختیار نہیں دیا بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے اور اس کے آٹھ مصارف مقرر فرما دیئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ میں ہو تو میں تمہیں زکوٰۃ دے سکتا ہوں''۔ (ابوداؤد و دار قطنی' بحوالہ تفسیر معارف القرآن ۴/۳۹۳)

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اس شخص پر جس نے زکوٰۃ طلب کی تھی' واضح فرمایا کہ زکوٰۃ کے مصارف اللہ نے طے کیے ہیں' اگر تم ان میں سے کسی مصرف کے زمرے میں آتے ہو تو زکوٰۃ لے سکتے ہو ورنہ نہیں۔ اس حدیث سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے یہی آٹھ مصارف ہیں اور یہ اللہ کی طرف سے طے شدہ ہیں لیکن اس کا یہ مفہوم نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کو ان مصارف کے حولے سے کسی جزوی یا داخلی تحدید کا اختیار ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے خاندانِ بنو ہاشم کو زکوٰۃ دینے سے منع فرما دیا۔ اسی طرح حضرت عمر ؓ نے مؤلفۃ القلوب کے مصرف میں زکوٰۃ کی ادائیگی کو موقوف فرما دیا۔

آثارِ صحابہ کرامؓ سے رہنمائی:

فی سبیل اللہ کے مصرف کو صحابہ کرام ؓ بھی محض قتال تک محدود نہ سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کا واقعہ علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''عبدالرحمٰن بن ابی نعم (جن کی کنیت ابوالحکم ہے) بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضر تھا' اسی دوران ایک خاتون حاضر ہوئیں اور حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! میرے شوہر نے اپنا مال فی سبیل اللہ خرچ

کرنے کی وصیت کی تھی (میں اسے کہاں خرچ کروں؟) حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا: اس کی وصیت کے مطابق وہ مال فی سبیل اللہ خرچ کرو۔ میں نے عرض کیا: اس خاتون کے سوال کا آپ نے تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا: اے ابنِ ابی نعم! تمہاری کیا رائے ہے' کیا میں خاتون کو یہ حکم دوں کہ وہ مال ان فوجیوں کو دے جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور رہزنی کرتے ہیں؟ ابنِ ابی نعم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابنِ عمرؓ سے عرض کیا: پھر آپ عورت کو وہ مال کہاں خرچ کرنے کا حکم دیتے ہیں؟ حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا: میں اسے حکم دیتا ہوں کہ یہ مال صالحین کی جماعت کو دے یعنی بیت اللہ کے حاجیوں کو' وہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں' وہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں' وہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں' شیطان کے وفد کی طرح نہیں ہیں (حضرت ابنِ عمرؓ نے یہ بات تین بار فرمائی) میں نے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! شیطان کا وفد کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا: جو لوگ ان امراء کے پاس جاکر چغلیاں کھاتے ہیں' مسلمانوں کی جھوٹی شکایتیں کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں انہیں انعامات اور عطیوں سے نوازا جاتا ہے۔'' (مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ' صفحات ۶۹۔۷۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں دینِ اسلام غالب تھا اور اس کی توسیع کے لئے فی سبیل اللہ کی صورت قتال ہی تھی۔ لیکن آپؓ نے بوجوہ قتال کے بجائے حجاج کی اعانت کو ترجیح دی۔ گویا دورِ صحابہ میں بھی فی سبیل اللہ کے مصرف کو محض قتال تک محدود سمجھنا درست نہیں۔

دورِ خلافتِ راشدہ میں زکوٰۃ کے محدود استعمال کے لئے کوئی روایت بیان نہیں کی جاتی۔ مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے قائم کردہ ادارے دارالعلوم کراچی کے استاد محمد کمال الدین احمد راشدی صاحب نے اپنی کتاب ''مالِ حرام اور اس کے شرعی مصارف و احکام'' میں صفحہ ۵۸ پر تحریر فرمایا ہے:

''خلفائے راشدین کے دور میں بیت المال میں زیادہ تر زکوٰۃ جمع ہوا کرتی تھی۔ بعد میں مالِ غنیمت اور خراج میں اضافہ ہوگیا۔ حکومت کو چلانے میں بیت المال کو استعمال کیا جاتا تھا۔ ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے یہ صراحت ہو کہ بیت المال میں مختلف مصارف کے لئے علیحدہ علیحدہ حساب رکھا جاتا تھا۔ جو کچھ آتا وہ بیت المال کا حصہ بن جاتا اور سارے اخراجات اس سے پورے کئے جاتے تھے۔ آج بھی اگر اسی طریقے کو اپنایا جائے تو ہم غیر اسلامی نظام سے چھٹکارا پاسکتے ہیں۔

اسلام سے پہلے ٹیکس رائج تھے' اسلام نے ان کو کس طرح ختم کیا یا غیر مسلموں کے لئے منظم کیا' اس کی تفصیل بیان کی جاتی ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ اسلام سے پہلے جو مالی نظام تھا وہ کتنا جابرانہ اور ظالمانہ نظام تھا' اسلام نے اس کی جگہ منصفانہ اور عادلانہ نظامِ زکوٰۃ کس طرح رائج کیا جس سے امیری اور غریبی کا فرق مٹ گیا اور ایک ایسا وقت آیا کہ مسلمانوں میں کوئی زکوٰۃ وصول کرنے والا نہ رہا۔''

کمال الدین احمد راشدی صاحب کی اس کتاب کی تحسین کرنے والوں اور تقریظ لکھنے والوں میں مفتی نظام الدین شامزئی صاحب اور مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب ایسے اصحاب علم کے شامل ہونے سے اس کی صحت و وقعت دو چند ہو جاتی ہے۔

سلف صالحین کی آراء سے رہنمائی:

ائمۂ اربعہ کے نزدیک مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ سے مراد قتال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے دور میں دینِ اسلام غالب تھا اور اعلاء کلمۃ اللہ کی تصدیر کے لئے فی سبیل اللہ کی صورت قتال ہی تھی۔ البتہ جیسے ہی دین مغلوب ہوا تو فی سبیل اللہ کے وسیع مصرف کی آراء بھی سلف صالحین کی طرف سے پیش کی جانے لگیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے عالمِ دین مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب موضوعِ زیرِ بحث پر اپنی ایک تحریر میں لکھتے ہیں:

''میرے مطالعہ و تحقیق کی حد تک فقہاء احناف میں فی سبیل اللہ کے مصداق میں تعمیم کرنے والے پہلے شخص ملک العلماء علاء الدین بن مسعود کاسانی (متوفی ۵۸۷ھ) ہیں۔ ملک العلماء کاسانی صاحبِ ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) کے معاصر ہیں۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے قول ''وفی سبیل اللہ'' سے مراد تمام امورِ خیر ہیں۔ لہٰذا اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کی اطاعت اور امورِ خیر میں سعی کرے' بشرطیکہ وہ شخص محتاج ہو۔''

کاسانی کے بعد دوسرے شخص صاحبِ فتاویٰ ظہیریہ ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد (متوفی ۶۱۹ھ) ہیں' انہوں نے فی سبیل اللہ کا مصداق طالبِ علموں کو قرار دیا۔ بعد کے فقہاء نے برسبیلِ تذکرہ ان دونوں کی رائے بھی نقل کر دی لیکن ترجیح جمہور کے مسلک کو دی جاتی رہی۔'' (مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ' صفحات ۶۴۔۶۵)

جناب یوسف القرضاوی نے اپنی کتاب فقہ الزکوٰۃ جلد دوم میں اسلاف کی حسبِ ذیل

آراء تحریر کی ہیں:

امام رازیؒ نے شافعی مسلک کے فقیہ قفال کی رائے اپنی تفسیر میں لکھی ہے کہ:

''فی سبیل اللہ سے مراد خیر کے تمام کام ہیں بلکہ اسے مُردوں کی تکفین' حفاظتی قلعے بنانے اور تعمیرِ مساجد میں صرف کرنا درست ہے' اس لئے کہ فی سبیل اللہ ان تمام کے لئے عام ہے۔'' (فقہ الزکوٰۃ جلد دوم' صفحہ ۱۳۶)

یوسف القرضاوی اس کے بعد تبصرہ کرتے ہیں:

''لیکن قفال نے یہ ذکر نہیں کیا کہ یہ فقہاء کون ہیں' حالانکہ محققین کے نزدیک فقیہ مجتہد کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر رازیؒ نے بھی اس پر کوئی گرفت نہیں کی جس سے یہ محسوس ہوتا ہو کہ شاید امام رازیؒ بھی اسی جانب جھکاؤ اور میلان رکھتے ہیں۔'' (فقہ الزکوٰۃ جلد دوم' صفحہ ۱۳۶)

امام طبریؒ ''فی سبیل اللہ'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

''اس سے مراد اللہ کے دین کی تائید' اسلامی شریعت کی تأسیس پر صرف کرنا فی سبیل اللہ خرچ کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ دشمنانِ اسلام سے جہاد اور قتال اور کفار سے جنگ اسی جدوجہد کا ایک حصہ ہے' کیونکہ کبھی اللہ کے دین کی تائید و نصرت کے لئے قتال اور جنگ کی ضرورت بھی پیش آجاتی ہے' بلکہ بعض حالات میں یہی ایک ناگزیر طریقہ رہ جاتا ہے جس سے نصرتِ دین ہوسکتی ہے' لیکن ایسے ادوار بھی آتے ہیں کہ جن میں نظریاتی جدّوجہد' جنگی اور مادی جدّوجہد سے کہیں زیادہ مؤثر' گہری اور عمیق ثابت ہوتی ہے جیسا کہ ہمارے دور میں ہے۔'' (فقہ الزکوٰۃ جلد دوم' صفحات ۱۵۳-۱۵۴)

علامہ ابن اثیرؒ فرماتے ہیں کہ:

''سبیل اللہ کا لفظ عام ہے جو ہر اُس عمل کو شامل ہے جس کا مقصود رضائے الٰہی ہو خواہ وہ عمل فرض ہو یا نفل یا مستحب' اور مطلقاً اس لفظ کا اطلاق جہاد پر ہوتا ہے اور اس معنی میں یہ لفظ اس کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ اس کا مفہوم جہاد ہی متصور ہونے لگا ہے۔'' (فقہ الزکوٰۃ جلد دوم صفحہ ۱۲۵)

مصارفِ زکوٰۃ کے حوالے سے سب سے زیادہ انقلابی رائے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ہے جو انہوں نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں دی ہے:

''میں کہتا ہوں اس تقدیر پر اللہ پاک کے اس حکم ''اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ'' میں حصر اضافی یعنی ان مصارف کی نسبت حصر ہے جن کو منافقین اپنی خواہش کے موافق

زکوٰۃ کا مصرف بنانا چاہتے تھے' جیسے کہ سیاق آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں رمز یہ ہے کہ حوائج بے شمار ہوا کرتے ہیں اور ان شہروں میں جن کے باشندے صرف مسلمان ہی ہیں' بیت المال کے اندر کوئی اور مال کثیر نہیں ہوتا' لہٰذا اس میں وسعت دینا ضروری ہے تا کہ شہر کے حوائج کو وہ مال کافی ہو سکے۔ واللہ اعلم۔''

مذکورہ بالا آراء سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ کے بارے میں کسی ایک رائے پر اجماعِ امت نہیں بلکہ اس معاملہ پر اسلاف کا اختلافِ رائے چلا آرہا ہے۔ متاخرین میں سے سید سلیمان ندوی' مولانا امین احسن اصلاحی' مولانا محمد منظور نعمانی' مولانا ابو الکلام آزاد' مولانا ابو الاعلیٰ مودودی' علامہ یوسف القرضاوی' علامہ رشید رضا وغیرہم ''فی سبیل اللہ'' کی مد کو محض قتال تک محدود نہیں سمجھتے۔

دورِ حاضر کی صورتِ حال:

دورِ حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کی کیفیت کا عالم یہ ہے کہ بقول اقبال:

اے بادِ صبا کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضہ سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا دنیا بھی گئی!

آج دنیا میں کہیں بھی اسلام غالب نہیں' بلکہ دشمنانِ اسلام اس قدر جری ہو چکے ہیں کہ وہ کھلم کھلا اسلامی عقائد و شعائر کی بیخ کنی پر تلے ہوئے ہیں اور بہت سے نام نہاد مسلمان بھی روشن خیالی اور اعتدال کے نام پر اسلامی تعلیمات کو مسخ کر رہے ہیں۔ یہ تخریبی کوششیں بڑے منظم انداز سے کی جارہی ہیں اور ان کے لئے بڑی بڑی رقوم' تمام اسباب و ذرائع اور حکومتی اختیارات کو استعمال کیا جارہا ہے۔ ذرائع ابلاغ کی تمام صورتوں کو بروئے کار لا کر بڑی تیزی کے ساتھ ذہنوں کو اسلام کی اصل تعلیمات سے برگشتہ کیا جارہا ہے۔ دوسری طرف امتِ مسلمہ کی جانوں' املاک اور عزت کو انتہائی بربریت سے پامال کیا جارہا ہے۔

عالمِ اسلام پر اہلِ مغرب نے سیاسی غلبہ و تسلط حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کی فکر کو مسخ کرنے کے لئے گمراہ کن نظامِ تعلیم نافذ کیا۔ اُن کا بنایا ہوا یہ نظام آج بھی جاری و ساری ہے اور اسے ہر طرح سے حکومتوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ دوسری طرف ایسے مدارس و ادارے بے سرو سامانی اور اسباب و وسائل کی قلت کا شکار ہیں جو مسلمانوں میں ایمانِ حقیقی' صحیح اسلامی فکر اور جذبۂ جہاد کی آبیاری کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے میں فی سبیل اللہ کی مد کے حوالے سے علماء کرام کو اپنی آراء پر نظرِ ثانی کرنی چاہئے۔ جس دَور میں ائمہ اربعہ نے اپنی

آراء دیں' وہ مسلمانوں کے غلبہ کا دَور تھا اور مدارسِ اسلامیہ کی سرپرستی حکومتیں کرتی تھیں۔ موجودہ دور میں مدارسِ اسلامیہ کے لئے اپنے اخراجات پورے کرنا مشکل ہو گئے ہیں۔ مدارسِ اسلامیہ اب زکوٰۃ کے ذریعے اپنے اخراجات پورے کر رہے ہیں' لیکن اس کے لئے ان کو حیلہ کرنا پڑتا ہے۔ مناسب ہوگا کہ بدلے ہوئے حالات کی وجہ سے اجتہاد کیا جائے اور فی سبیل اللہ کے حوالے سے دوسری رائے کو اختیار کر کے دینی مدارس اور احیائی تحریکوں کے کام کو زکوٰۃ کے ذریعے تقویت دی جائے۔ اسلام دشمنی کے لئے منظم انداز سے بے پناہ وسائل استعمال کیے جا رہے ہیں۔ اس کے مقابلہ کے لئے ہمیں بھی اسی شدت کے ساتھ جوابی تحریک برپا کرنی ہوگی اور زیادہ سے زیادہ وسائل بروئے کار لانے ہوں گے۔

فی سبیل اللہ کے مصرف کے تعین کے حوالے سے اجتہاد کی ضرورت برعظیم کے جید علماء بھی محسوس کرتے رہے ہیں۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ سے ایک سائل نے سوال پوچھا:

''عاملین کے متعلق تو فقہا نے لکھ دیا ہے کہ ان کو بقدرِ عمل لے لینا جائز ہے' کیا مدرسین کی تنخواہیں اس زکوٰۃ کے مال سے کسی جزیہ کے تحت دی جا سکتی ہیں؟ اگر کوئی ایسا جزیہ نکل آوے تو مدرسہ چلنے کی صورت آسان ہو جاتی ہے۔ نیز کیا شافعیہ' مالکیہ' حنابلہ کے ہاں ایسی صورت میں روپیہ زکوٰۃ کا صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟''

جواب میں مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

''چونکہ حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک بلاعوض ضروری ہے اور اس اصل سے سوائے عاملین کے اور کوئی مستثنیٰ نہیں اس لئے حنفی اصول کے مطابق مدرسین کی تنخواہ زکوٰۃ سے نہیں دی جا سکتی۔ البتہ دیگر ائمہؒ کے مسلک کے موافق جو تملیک کو ضروری نہیں سمجھتے اور اُمورِ خیر میں زکوٰۃ کا روپیہ خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں' اس کی گنجائش ہے کہ مدرسین کی تنخواہیں زکوٰۃ کے روپے سے ادا کر دی جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ دینی تعلیم کی وجود و بقاء اسلامی عربی مدارس پر موقوف ہے' ان مدارس کی زندگی کا مدار آج کل زکوٰۃ پر ہی رہ گیا ہے۔ معاملہ اہم ہے مگر اس کا فیصلہ حنفیہ کے علماء متدین و موقعہ شناس اجتماعی رائے سے کر سکتے ہیں۔''

(مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ' صفحہ ۱۶۲)

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے معروف سکہ بند عالمِ دین بھی دینی مدارس کے لئے متدین و موقعہ شناس علمائے کرام کو اجتہاد کی دعوت دے رہے ہیں۔

سعودی عرب کے علماء اس سلسلہ میں اجتہاد کر چکے ہیں۔ رابطۂ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی المجمع الفقہ الاسلامی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۸۵ء میں' جو شیخ عبدالعزیز بن باز کی صدارت میں منعقد ہوا تھا' فی سبیل اللہ کے مصرف کے بارے میں درج ذیل قرارداد منظور کی:

۱) اس بات کے پیشِ نظر کہ دوسرے قول (فی سبیل اللہ کے مصرف کی وسعت) کا قائل علمائے مسلمین کا ایک گروہ ہے اور اس کی تائید بعض آیاتِ کریمہ سے ہوتی ہے' مثلاً ﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَا اَذًی﴾ (جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' پھر اس خرچ کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دل آزاری کرتے ہیں ..... سورۃ البقرہ: ۲۶۲) نیز بعض احادیثِ شریفہ سے بھی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ابوداؤد کی یہ روایت کہ ایک شخص نے اپنی اونٹنی اللہ کی راہ میں دے دی اور اس کی بیوی حج کرنا چاہتی تھی تو نبی ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اس پر سواری کرو' کیونکہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

۲) اور اس بات کے پیشِ نظر کہ مسلح جہاد سے مقصود اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ جہاں قتال کے ذریعہ بلند ہوتا ہے وہاں دعوت الی اللہ اور اشاعتِ دین کے ذریعہ بھی ہوتا ہے جس کے لئے داعیوں کو تیار کرنے اور ان کی امداد و اعانت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں پوری کر سکیں۔ لہٰذا دونوں ہی باتیں جہاد میں شامل ہیں' چنانچہ امام احمد اور نسائی کی روایت ہے اور اسے حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((جَاھِدُوا الْمُشْرِکِیْنَ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَاَلْسِنَتِکُمْ))

''مشرکین سے جہاد کرو اپنے مال' اپنی جانوں اور اپنی زبانوں کے ساتھ''۔

۳) اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اسلام پر ملحدوں' یہود' نصاریٰ اور تمام دشمنانِ اسلام کی طرف سے کئے جانے والے فکری اور اعتقادی حملوں کا مقابلہ کرنا ہے اور اُن کو ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو اُن کی مادی اور معنوی مدد کرتے ہیں' اس لئے مسلمانوں کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ بھی ویسے ہی ہتھیاروں سے ان کا مقابلہ کریں جن کے ذریعے وہ اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں' بلکہ ان سے بھی زیادہ کاری ضرب لگانے والے اسلحہ سے۔

۴) اور اس بات کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ممالک اسلامیہ میں جنگی معاملات کے لئے خاص وزارتیں تشکیل دی جاتی ہیں اور اس کے لئے ہر حکومت کے بجٹ میں مالی دفعات ہوتی ہیں' برخلاف دعوتی جہاد کے کہ اس کے لئے اکثر ممالک کے بجٹ میں امداد و اعانت کے لئے کوئی رقم تجویز نہیں کی جاتی۔

ان تمام وجوہ سے یہ مجلس مطلق کثرتِ رائے سے طے کرتی ہے کہ دعوت الی اللہ اور جو چیزیں اس میں معاون ہوں اور جو کام اس کو تقویت پہنچانے والے ہوں وہ سب آیتِ کریمہ میں مذکور ''فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہ'' کے معنی میں داخل ہیں۔''

(مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ' صفحات: ۲۰۳۔۲۰۶)

المجمع الفقه الاسلامی مکہ مکرمہ کے اس فیصلہ کے پیشِ نظر فی سبیل اللہ کا مصداق ان تمام اُمور کو قرار دیا جاسکتا ہے جو دین کی دعوت' اس کی تدریس' اس کی نشر و اشاعت اور اس کی خدمت سے متعلق ہیں۔

بقیہ : نباتاتِ قرآن

ہے۔ اس کے بعد یونان اور آسٹریلیا اور مسلم ممالک میں سے ترکی' ایران اور افغانستان میں انگور کی شراب سازی ہوتی ہے۔ افغانستان میں طالبان کی حکومت کے عہد میں شراب سازی قطعاً بند ہوگئی تھی۔ پاکستان میں انگور کوئٹہ اور قلات کے علاقے میں پیدا ہوتا ہے۔ چمن کا انگور بہت مشہور ہے۔ بلوچستان کے انگور کے دانے موٹے اور خوش ذائقہ ہوتے ہیں۔ انگور کی بیل تین چار سو سال تک پھل دیتی ہے۔

انگور کے طبی فوائد بہت ہیں۔ یہ دل' جگر' دماغ اور گردوں کو طاقت بہم پہنچاتا ہے۔ انسانی جسم میں حرارتِ غریزی پیدا کرتا ہے۔ قدرت نے پوٹاشیم اور فاسفورس کے نمکیات کے علاوہ حیاتین اے' بی اور ڈی بھی اس میں شامل کئے ہیں۔

انگور کی اہمیت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں گیارہ مرتبہ کیا ہے' اور نبی کریم ﷺ نے بھی انگور رغبت سے کھایا اور پسند کیا ہے۔

ooo

تعارف وتبصرہ

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

(۱)

نام کتاب : جدیدیت کی لہر اور اُس کے مضمرات

مرتبہ : سمیعہ سالم

ضخامت:111 صفحات ..... قیمت :45روپے

یہ کتاب کل چھے مقالات پر مشتمل ہے جو راولپنڈی اور کراچی میں خواتین کے دو تربیتی سیمیناروں میں پڑھے گئے۔ یہ سیمینار ۲۰۰۲ء میں منعقد ہوئے۔

مقالے معلومات افزا' حقائق پر مبنی اور پر تاثیر ہیں۔ یہ مقالے جن خواتین نے پڑھے ہیں وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں جن کی نگاہ بین الاقوامی حالات پر بھی ہے اور وہ اسلامی تاریخ سے بھی خوب واقف ہیں۔ مسلم اُمہ کے لئے اُن کے دلوں میں نصح و خیر خواہی کا جذبہ اُن کے مقالات سے ظاہر ہے۔ ان مقالات میں انہوں نے واضح کیا ہے کہ جدیدیت کی آڑ میں مسلمانوں کو کس سمت چلایا جا رہا ہے اور مسلمان ہیں کہ اپنی تہذیب و شناخت سے بے خبر اس قاتل جدیدیت کی طرف رواں دواں ہیں۔

تحریک آزادئ نسواں کے حوالے سے ڈاکٹر شمشاد امتیاز صاحبہ کا مقالہ آج کے دور کی ہر مسلمان عورت بلکہ ہر مرد کو بھی پڑھنا چاہئے۔ مرد اور عورت کی مساوات کے نام سے مسلمان عورتوں کو شرم و حیا سے عاری کر کے انہیں فحاشی کی طرف دھکیل کر مادر پدر آزاد معاشرے کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ اور مسلمان عورت ہے کہ اس ماڈرنزم کو اچھلتی کودتی قبول کر رہی ہے' حالانکہ اس جدیدیت کے نتیجہ میں یورپ کے پارکوں' باغوں' چوراہوں اور تفریح گاہوں میں مرد و عورت کے اختلاط کے شرمناک مناظر دیکھ کر ضمیر چیخ اٹھتا ہے کہ یہ انسان نہیں جانور ہیں جنہوں نے خوشنما لباس پہن رکھے ہیں۔

سلمیٰ یاسین نجمی صاحبہ اپنے مقالہ میں لکھتی ہیں کہ ''اس ساری خرابی کی بنیادی وجہ عورت

کی آزادی ہے۔ شیطان نے بھولی بھالی عورت کو شکار کر کے اپنا آلۂ کار بنالیا' اس کو مرد کے مقابلے میں کھڑا کر دیا بلکہ باہم لڑا دیا۔ اس کو مساواتِ مرد و زن کا ایسا سبق سکھایا کہ وہ اپنے اصلی رول کو بھول کر مرد بننے کے چکر میں گھر کی محفوظ پناہ گاہ چھوڑ کر باہر آ گئی''۔ جدیدیت کے اس طوفان میں بہہ جانے ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ ایسی مسلمان عورتیں اب گویئے' بھانڈ' میراثی' نقال' فنکار بچے پیدا کر رہی ہیں اور ان کی گود عظیم راہ نما' عالم' دانشور' مجاہد' فقیہہ اور مجتہد کی صفات رکھنے والے بچوں سے خالی ہو گئی ہے۔

جدیدیت کی لہر نے مسلمانوں کو اپنی تہذیب سے نہ صرف بیگانہ بلکہ متنفر کر دیا ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے خودکشی کا سامان ہے۔ بہبودِ آبادی کی آڑ میں بے حیائی' عریانی اور فحاشی پھیلائی جا رہی ہے۔ دراصل یہ ہماری آبادی کی بہبود نہیں بلکہ بربادی کا سامان ہے۔ گناہ کو چھپانے کے لئے اسقاط کے نئے نئے طریقے عام متعارف ہیں' پھر بھی ناجائز بچے پیدا ہو رہے ہیں اور پاکستان میں ایدھی صاحب کو اپنے سنٹرز میں جھولے رکھنے پڑ گئے تاکہ ناجائز بچے ان میں ڈالے جا سکیں۔

دہشت گردی کی آڑ میں مسلمانوں کو دنیا بھر میں نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ وہ اس لئے کہ کفر کو اسلام سے ہمیشہ خطرہ ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مسلمان سرکس کا شیر ہے' اگرچہ وہ سدھانے والے کے کوڑے سے ڈرتا ہے مگر مالک کو ہمیشہ اس کی طاقت اور جرأت سے خطرہ رہتا ہے۔ آج مسلمان کمزور اور نہتے ہیں لیکن طاقتور اور اسلحے میں غرق دشمنانِ اسلام مسلمانوں سے پہلے سے زیادہ خائف ہیں۔

آخری مقالہ محترمہ عامرہ احسان کا ہے جنہوں نے بین الاقوامی صورت حال کا تجزیہ کمالِ مہارت کے ساتھ کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ آج مسلمان استعماری طاقتوں کے ہاتھوں ریموٹ کنٹرول غلامی میں ہیں اور یوں مغرب کو براہِ راست اُن پر قبضہ جمانے کی ضرورت نہیں' اس طرح یہ ہمارے لئے بدترین دور ہے۔ مگر محترمہ امت کے مردوں اور عورتوں کو امید دلاتی ہیں کہ اگر ہم اپنا رویہ تبدیل کر لیں' اسلامی اقدار کو اپنا لیں' مغرب کی اس نقالی کو چھوڑ دیں جس نے خود اُن کا خاندانی نظام تباہ کر دیا ہے' تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلم اُمہ پھر سے عزت و وقار حاصل نہ کر سکے۔

کب ڈرا سکتا ہے غم کا عارضی منظر مجھے!
ہے بھروسہ اپنی ملت کے مقدر پر مجھے!

الغرض مقالات کا یہ مجموعہ وقت کی شدید ضرورت ہے۔ یہ کتاب ''خیرُ الکلام مَا قَلَّ وَدَلَّ'' کے مصداق اپنے موضوع پر دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش ہے۔ یہ کتاب ہر مسلمان کے پڑھنے کی ہے۔ ہر مسلمان خاتون اور مرد اِسے خریدے اور پڑھے' بلکہ دوسرے پڑھے لکھے مسلمانوں تک پہنچائے۔

کتاب میں کمپوزنگ کی کچھ اغلاط ہیں جن کی اصلاح ضروری ہے۔

(۲)

نام کتاب : سامانِ سفر (افادات سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

مرتبہ : یاسمین حمید

ضخامت:304 صفحات ..... قیمت : 80 روپے

یہ کتاب دعوت دین کی فکری و عملی راہنمائی سے متعلق مولانا مودودیؒ کی منتخب تحریروں کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ مولانا مودودی عصر حاضر کی نابغہ شخصیت تھے۔ آپ پہلے مترجم ہیں جنہوں نے قرآن حکیم کا ترجمہ ترجمانی کے انداز میں کیا تا کہ عام مسلمان قرآنی تعلیمات کو آسانی کے ساتھ جان سکیں۔ آپ نے قرآن مجید کی تشریح اور توضیح اس انداز میں کی کہ یہ واقعی ضابطۂ حیات ہے۔ اور ہم لوگ نہ صرف اس کو سمجھ کر پڑھیں بلکہ اس کی تعلیمات پر عمل بھی کریں اور اس حیات افزا پیغام کو دوسروں تک بھی پہنچائیں اور پھر غلبۂ اسلام کے مشن پر نکل کھڑے ہوں۔

مولانا نے دعوت دین کا کام شروع کیا۔ آپ اعلیٰ درجہ کے خطیب اور صاحب طرز ادیب تھے۔ پھر آپ کی دعوت قرآن وسنت کی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر قائم تھی اس لئے لوگ متاثر ہوئے اور آپ کو اعوان وانصار ملنے شروع ہو گئے۔ چنانچہ آپ نے تحریک اسلامی کی بنیاد ڈالی۔

اس کتاب میں مولانا کی اس جدوجہد کے طریق کار کی مکمل وضاحت ملتی ہے کہ کس طرح انہوں نے دعوت دین کا آغاز کیا' لوگوں کو educate کرنے کی کوشش کی' لائحہ عمل تیار کیا' دعوت کا کام کرنے والوں کی تربیت کا اہتمام کیا اور پھر جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی اور جماعت کو اعلیٰ درجے کے نظم پر استوار کیا۔ ارکان جماعت پر لائحہ عمل واضح کیا اور سب سے پہلے انہیں اپنی زندگی اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی تلقین کی جس میں رزقِ حلال اور

صدقِ مقال کو خصوصی اہمیت دی۔ اس جماعت کو بین الاقوامی شہرت ملی اور بڑی بڑی عظیم شخصیتیں اس کے ساتھ وابستہ رہیں۔

اس کتاب میں مولانا کی اسی جدوجہد کی روداد مرتب کی گئی ہے۔ کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ حصہ اول کا عنوان ہے ''ہماری دعوت کیا ہے؟'' پھر اس حصے میں مختلف ذیلی عنوانات کے تحت نو باب ہیں۔ دوسرے حصے کا عنوان ہے ''دعوت ـــــ تحریک کے قالب میں''۔ یہ حصہ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ تیسرے حصے کا عنوان ہے ''تحریک اسلامی' تنظیم و تربیت کے مراحل میں''۔ اس حصہ میں بھی نو ابواب ہیں۔ کتاب کے اخیر میں مآخذ کی فہرست اور موضوعات کا اشاریہ موجود ہے۔ یوں دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کے لئے اس کتاب میں جامع راہنمائی موجود ہے۔

مرتبہ کے مطابق ''سامانِ سفر'' کو خصوصیت کے ساتھ کارکنان اور ذمہ دارانِ تحریک کے لئے مرتب کیا گیا ہے' تاکہ وہ راہِ حق کا یہ سفر پورے شعور و آگہی سے کریں۔ کتاب کا تمام تر مواد مولانا کی تحریروں' تقریروں اور انٹرویوز وغیرہ سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کا مطالعہ دعوت دین کی اہمیت واضح کر کے قاری کے ذہن میں تحریک کا جذبہ پیدا کرے گا اور اس طرح اس میں کردار و عمل کی پختگی پیدا ہوگی۔

کتاب میں کہیں کہیں کمپوزنگ کی اغلاط موجود ہیں۔ جلد کارڈ بورڈ کی ہے اور ٹائٹل خوبصورت ہے۔

(۳)

نام کتاب : حج کیسے کریں؟

مصنفہ : عامرہ احسان

ضخامت:38 صفحات ..... قیمت :15روپے

کتاب کے عنوان سے ایسا لگتا ہے کہ اس میں روایت کے مطابق حج کے مناسک ادا کرنے کا طریقہ درج ہوگا' مگر ایسا نہیں ہے' بلکہ اس کتاب میں مصنفہ نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ کس ارادے اور نیت کے ساتھ حج کیا جائے۔ حج کے سارے مناسک تو مسنون انداز میں ادا کر لئے مگر اللہ تعالیٰ سے کردار کی اصلاح کا کوئی وعدہ وعید نہ کیا تو یہ حج کیسا ہوا! اسی طرح سیر و سیاحت اور چیزوں کی خریداری پر وقت کا صرف کوئی اچھی بات نہیں۔

بعض لوگ تو ناجائز ذرائع استعمال کر کے حج کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ شاید اُن کو معلوم نہیں کہ جب بسم اللہ ہی غلط ہوگئی تو آگے فائدہ کیا ہوگا۔ جس شخص نے ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ دولت خرچ کر کے حج کیا اس نے کیسا حج کیا!

عورتوں کے لئے سفر حج میں محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔ اگر وہ یہ شرط پوری نہیں کرتیں تو اُن پر سرے سے حج فرض ہی نہیں۔ مگر عورتیں ہیں کہ جھوٹ موٹ کا محرم بنا کر سفر حج اختیار کرتی ہیں۔ گویا حج کی درخواست دیتے وقت ہی جھوٹ بولتی ہیں۔ پھر حرم شریف میں پردے کا کوئی اہتمام نہیں کرتیں' بدن پر باریک لباس ہوتا ہے اور سر کے بال صحیح طور پر ڈھانپے ہوئے بھی نہیں ہوتے' حالانکہ اگر گرمی ہو تو برداشت کی جائے۔ قرآن کریم میں ہے: ﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا﴾ "کہہ دیجئے (اے محمد ﷺ!) جہنم کی آگ کی حرارت شدید تر ہے"۔

مصنفہ رمی جمرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتی ہیں: "ارے دو چار پتھر اپنے نفس پر بھی برسائے ہوتے جو شیطان کا حاضر باش غلام بنا بیٹھا ہے"۔ وہ لکھتی ہیں کہ حج کرنے والے کو یہ تو پتہ ہوتا ہے کہ حرم شریف میں جوں اور چیونٹی کو بھی مارنے کی اجازت نہیں مگر گرے ہوئے انسان کو روند دینا اور حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت دوسرے انسانوں کو زور بازو سے دھکیلنا کہاں سے جائز ہو گیا۔

مصنفہ اس بات پر زور دیتی ہیں کہ حج کے اژدہام میں صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ چونکہ وہاں کے منتظمین اس بات کا بہت دھیان رکھتے ہیں اس لئے اس سلسلہ میں اُن کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے۔ ردی کاغذ' پھلوں کے چھلکے' خالی ڈبے اور کاغذ کے استعمال شدہ برتن مناسب جگہ پر ٹھکانے لگانے چاہئیں۔ نیز باتھ روم کا استعمال بھی سلیقہ سے کرنا ضروری ہے' تاکہ دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث نہ ہو۔

کتابچہ از حد مفید ہے۔ حج پر جانے سے قبل اس کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

مندرجہ بالا تینوں کتابیں تحریک اسلامی حلقہ خواتین نے شائع کی ہیں۔ ان پر قیمت اور ملنے کے پتے درج نہیں کئے گئے۔ خریداروں کی سہولت کے لئے آئندہ ایڈیشن میں ہر کتاب پر ملنے کے پتے درج ہونے چاہئیں۔ یہ کتابیں مندرجہ ذیل مقامات سے حاصل کی جاسکتی ہیں:

(۱) تحریک اسلامی پاکستان' مکان نمبر 417' گلی نمبر 50' سیکٹر G-9/1' اسلام آباد
فون: 2854127

(۲) ادارہ مطبوعات سلیمانی' رحمٰن مارکیٹ' اردو بازار لاہور' فون: 7232788

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورسز

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں:

۱) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹس کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جاسکتا ہے۔

۲) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I,II,III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۳) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرت پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کے لئے درج ذیل پتے پر رجوع فرمائیں

ناظم شعبہ خط و کتابت کورسز

قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501